ہر اتوار کو روزنامہ اسلام کے ساتھ شائع ہوتا ہے

اتوار ۸ ربیع الثانی ۱۴۴۶ھ
مطابق ۱۳ اکتوبر ۲۰۲۴ء

بچوں کا اسلام

۱۱۵۶

پاکستان کا سب سے زیادہ شائع ہونے والا بچوں کا مقبول ترین ہفت روزہ

سفر ایمان کا

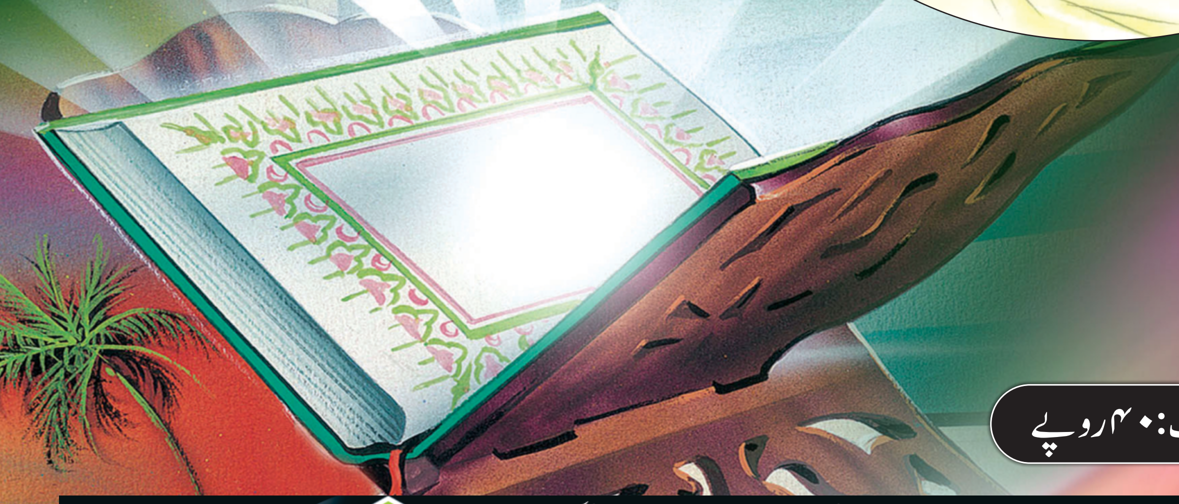

قیمت: ۴۰ روپے

القرآن

اللہ کی رضامندی پر سنگِ بنیاد

بھلا جس شخص نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے خوف اور اس کی رضامندی پر رکھی، وہ اچھا ہے یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد گر جانے والی کھائی کے کنارے پر رکھی کہ وہ اس کو دوزخ کی آگ میں لے گری اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

(سورۃ التوبہ،آیت:109)

الحدیث

اللہ کی رضا اور عدم رضا والے کام

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ ان تین کاموں سے راضی اور خوش ہوتے ہیں کہ تم لوگ صرف اسی کی عبادت کرو، اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ، اللہ کی آسمانی رسّی قرآن کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور تفرقہ مت کرو جبکہ اس کی ناراضی اور ناخوشی والے تین امور یہ ہیں: فضول بحث ومباحثے، بے فائدہ سوال وجواب، مال جیسی قیمتی شے کا بے سوچے سمجھے اُڑانا۔ (صحیح مسلم)

دستک

جو چپ رہا!

(قند مکرر)

وہ دین ودنیا کے اعتبار سے بڑے لوگوں کی مجلس تھی۔

ناچیز بھی موجود تھا۔

تعارف ہوا تو مسکراتے ہوئے کہا گیا: آپ بھی کچھ کہیے ناں!

کہنے کو بہت کچھ تھا، دل بھرا ہوا تھا اور کوئی خوف بھی مانع نہ تھا کہ اُن دنوں بوجہ کم عمری دل بھی بہت بے باک تھا۔

مگر کسی نادیدہ قوت نے جیسے منہ کَس کر بند کردیا۔

کچھ عرصے تک سوچتے رہے کہ کاش! دل کی بات کر لیتے۔

مگر قارئین! سچی بات بتائیں، کئی برس بعد جب تحمل آیا تو اب لاکھ لاکھ شکر ادا ہوتا ہے کہ اُس وقت چپ رہے۔

جی ہاں! اس ناچیز کی زندگی کا سچ تو یہی ہے کہ ہمیشہ کسی طعن کے موقع پر، کسی کو کھری کھری سنانے کے وقت، بول اٹھنے پر ہی پچھتاوا ہوا، نہ بولنے پر کبھی نہیں۔

خصوصاً اندر سے جب کوئی طاقت بولنے سے روکتی ہو تو تمام تر جوش وخروش کے باوجود اُس کی بات مان کر چپ رہنا چاہیے۔

سچ مچ اس چپ رہنے میں بڑی عافیت ہے۔

جیسا کہ ابی العتابیہ کا مشہور قول ہے:

ما ان ندمت علیٰ سکوتی مرة

ولقد ندمت علیٰ الکلام مرارا

میں خاموش رہنے پر کبھی نہیں پچھتایا لیکن اپنے بولنے پر کئی مرتبہ پچھتایا ہوں۔

ایک اور اللہ والے کا قول یاد آیا، فرماتے ہیں:

’’بولنا اگر چاندی ہے تو خاموشی سونا ہے۔‘‘

نیز ایک اور عارف باللہ نے لکھا ہے کہ خاموشی زینت اور سلامتی ہے۔

اور یہ تو امتیوں کی باتیں ہیں، اولین وآخرین کے سردار، عارفین کے آقا حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان عالی شان کے بعد تو بات ہی ختم ہو جاتی ہے، فرمایا جس کا مفہوم ہے:

’’جو چپ رہا، اس نے نجات پائی۔‘‘

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صرف حق کی دعوت دینے، کسی مسلمان کی جائز سفارش کرنے، اسے رسوائی سے بچانے، اس کے لیے سچی گواہی دینے، بھلی بات کہنے اور برائی سے روکنے، نیز اپنا ذکر کرنے اور اپنے بندوں کی حاجت پوری کرنے اور ان کی جائز خوشی کے لیے ہی زبان کھولنے کی توفیق دے، آمین!

والسلام

محمد فیصل شہزاد

میمل

مرسلہ: زرینہ عنایت، پہاڑ گنج، کراچی

جو جانور اپنے بچوں کو دودھ پلاتے ہیں، انہیں میمل کہتے ہیں۔ یہ گرم خون والے جانور ہیں اور پھیپھڑوں سے سانس لیتے ہے۔ انسان بھی دودھ پلانے والا جانور ہے اور کتے، بلیاں، گدھے، گھوڑے، گائے، بھینسیں، خرگوش اور بندر بھی۔ تمام میملوں کی ریڑھ کی ہڈی ہوتی ہے اور تقریباً سب کے جسم پر تھوڑے بہت بال ہوتے ہیں۔ بعض میمل انڈے دیتے ہیں، جیسے آسٹریلیا کا ڈک بلڈ اور اینٹ ایٹر (چیونٹی خور)۔ بعض جانوروں کے پیٹ میں تھیلیاں ہوتی ہیں۔ یہ تھیلی دار جانور کہلاتے ہیں۔ کینگرو اور کوآلا ریچھ اسی قسم کے جانور ہیں۔ یہ اپنے بچوں کو تھیلی میں رکھتے ہیں۔ بلی کے خاندان کے تمام جانور گوشت خور ہیں۔ گینڈے، ہرن، بھینسیں اور ہپوپوٹے مس (دریائی گھوڑا) سُم دار (کُھر والے) جانور ہیں۔ اُود بلاؤ، چوہے اور گلہریاں کترنے والے جانور ہیں۔

اُود بلاؤ، اپنے تیز دانتوں سے، درخت کاٹ کر گرا دیتا ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا میمل نیلی وھیل ہے۔ یہ سمندر میں رہتی ہے۔ خشکی کا سب سے بڑا میمل افریقہ کا ہاتھی ہے۔

ماں کہاں ہو تم؟

کامران خان۔اسلام آباد

بہت عرصہ مجھے اس راز کا پتا ہی نہ چل سکا کہ ماں کو میرے آنے کی خبر کیسے ہو جاتی ہے؟ میں اسکول سے آتا تو دستک دینے سے پہلے دروازہ کھل جاتا۔ کالج سے آتا تو دروازے کے قریب پہنچتے ہی ماں کا خوشی سے دمکتا چہرہ نظر آ جاتا۔

وہ پیار بھری مسکراہٹ سے میرا استقبال کرتی، دعائیں دیتی اور پھر میں صحن میں اینٹوں سے بنے چولہے کے قریب بیٹھ جاتا۔

ماں گرما گرم روٹی بناتی اور میں مزے سے کھاتا۔

جب میرا پسندیدہ کھانا پکا ہوتا تو ماں کہتی چلو مقابلہ کریں۔

یہ مقابلہ بہت دلچسپ ہوتا تھا۔

ماں روٹی چنگیر میں رکھتی اور کہتی اب دیکھتے ہیں کہ پہلے میں دوسری روٹی پکاتی ہوں یا تم اسے ختم کرتے ہو۔ ماں کچھ اس طرح روٹی پکاتی، اِدھر آخری نوالہ میرے منہ میں جاتا اور اُدھر تازہ تازہ اور گرما گرم روٹی توے سے اتر کر میری پلیٹ میں آ جاتی۔ یوں میں تین چار روٹیاں کھا جاتا لیکن مجھے کبھی سمجھ نہ آئی کہ فتح کس کی ہوئی۔ ہمارے گھر کے کچھ اصول تھے جن پر سب عمل کرتے تھے۔

ہمیں سورج غروب ہونے کے بعد گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی لیکن تعلیم مکمل کرنے کے بعد مجھے لاہور میں ایک اخبار میں ملازمت ایسی ملی کہ میں رات گئے گھر آتا تھا۔ ماں کا مگر وہ ہی معمول رہا۔ میں فجر کے وقت بھی اگر گھر آیا تو دروازہ خود کھولنے کی ضرورت کبھی نہ پڑی۔ تاخیر ہو جانے پر کوشش ہوتی تھی کہ میں خاموشی سے دروازہ کھول لوں تاکہ ماں کی نیند خراب نہ ہو لیکن میں اِدھر چابی جیب سے نکالتا، اُدھر دروازہ کھل جاتا۔

میں ماں سے پوچھتا تھا: ”آپ کو کیسے پتا چل جاتا ہے کہ میں آ گیا ہوں؟“

وہ ہنس کے کہتی: ”مجھے تیری خوشبو آ جاتی ہے۔“

پھر ایک دن ماں دنیا سے چلی گئی!

ماں کی وفات کے بعد ایک دفعہ میں گھر لیٹ پہنچا، بہت دیر تک دروازے کے پاس کھڑا رہا، پھر ہمت کر کے آہستہ سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ کچھ دیر انتظار کیا اور جواب نہ ملنے پر دوبارہ دستک دی۔ پھر گلی میں دروازے کے قریب اینٹوں سے بنی دہلیز پر بیٹھ گیا۔

سوچوں میں گم نجانے میں کب تک دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا رہا اور پتا نہیں میری آنکھ کب لگی۔ بس اتنا یاد ہے کہ مسجد سے اذان سنائی دی، کچھ دیر بعد سامنے والے گھر سے امی کی سہیلی نے دروازہ کھولا۔ وہ تڑپ کر باہر آئیں۔

انھوں نے میرے سر پر ہاتھ رکھا اور بولی: ”پتر! تیری ماں گلی کی جانب کھلنے والی تمھارے کمرے کی کھڑکی سے گھنٹوں جھانکتی رہتی تھی۔ اِدھر تو گلی میں قدم رکھتا تھا اور اُدھر وہ بھاگم بھاگ نیچے آ جاتی تھیں۔“

وہ بولی: ”پتر تیرے لیٹ آنے، رات گئے کچن میں برتنوں کی آوازوں اور شور کی وجہ سے تیری بھابی بڑی بڑ بڑ کیا کرتی تھی کیوں کہ ان کی نیند خراب ہوتی تھی۔“

پھر انھوں نے آبدیدہ نظروں سے کھڑکی کی طرف دیکھا اور بولیں: ”پتر ہن اے کھڑکی کدے نئیں کھلنی۔“ (بیٹا اب یہ کھڑکی کبھی نہیں کھلنی)

کچھ عرصہ بعد میں لاہور سے اسلام آباد آ گیا جہاں میں گیارہ سال سے مقیم ہوں۔ سال میں ایک دو دفعہ میں لاہور جاتا ہوں۔ میرے کمرے کی وہ کھڑکی اب بھی وہاں موجود ہے لیکن ماں کا وہ مسکراہٹ بھرا چہرہ مجھے کبھی نظر نہیں آیا۔

ماں باپ کے سائے کی ناقدری مت کرائے ناداں! دھوپ بہت کاٹے گی جب شجر کٹ جائے گا۔

جاگ اٹھو!

عنایت علی خان

صبح ہوئی تو مرغا جاگا
مرغا بولا ککڑوں کوں...... جاگ اٹھو!
صبح ہوئی تو چڑیاں جاگیں
چڑیاں بولیں چوں چوں چوں...... جاگ اٹھو!
صبح ہوئی تو بطخیں جاگیں
بطخیں بولیں قیں قیں قیں...... جاگ اُٹھو!
صبح ہوئی تو بکری جاگی
بکری بولی میں میں میں...... جاگ اٹھو!
صبح ہوئی تو بھیڑیں جاگیں
بھیڑیں بولیں بھیں بھیں بھیں...... جاگ اٹھو!
صبح ہوئی تو امی جاگیں
امی کلمہ پڑھ کر بولیں...... جاگ اٹھو
جاگو مُنے جاگ اُٹھو
جاگو مُنی جاگ اُٹھو!

خط کتابت کا پتا: دفتر روزنامہ اسلام، ناظم آباد، کراچی bkislam4u@gmail.com, 021 366 099 83

ادارہ روزنامہ اسلام کی تحریری اجازت کے بغیر بچوں کا اسلام کی کوئی تحریر کہیں شائع نہیں کی جاسکتی۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کرنے کا حق رکھتا ہے۔

سالانہ زرتعاون: اندرون ملک 2000 روپے بیرون ملک ایک میگزین 25000 روپے دو میگزین 28000 روپے انٹرنیٹ: www.dailyislam.pk

حکایتِ دندانی

اکبر امین میمن۔ سکھر

انگلیوں نے دیوار پر لگے اس صاف ستھرے آئینے کے ماتھے پر سجی بتیوں کا بٹن دبایا تو چشم زدن میں ان سے پھوٹتی مصنوعی روشنی کی کرنیں راستہ صاف دیکھ کر آئینے کی طرف دوڑنے لگیں اور وہاں اپنا سر ٹکرا کر ہمارے چہرے پر بکھر گئیں۔ اس عمل سے آئینے پر ہمیں ہمارا عکس صاف دکھائی دینے لگا ہے۔ ہم اپنا چہرہ آئینے پر دیکھنے کے لیے ذرہ آگے کو جھکے ہیں اور اب منہ کی نقاب کشائی کر کے دانتوں کو دیکھنے لگے ہیں۔

ایک، دو، تین

پچیس، چھبیس، ستائیس

پورے بتیس دانت ہیں۔ نیچے والے دانت ایک دم ہوشیار ہیں جبکہ اوپر والے دانت، کسی غار میں موجود چمگادڑوں کی مانند گلابی مسوڑھوں میں ناخن گاڑے، الٹے!!

یہ دانت ہمیشہ سے تو ایسے نہیں تھے۔ آخر یادوں کا سمندر پھر سے ٹھاٹھیں مارنے لگا اور ہمیں وقت کا سفر طے کرواتا ہوا ماضی میں لے گیا۔

یہ وہ وقت تھا جب دنیا میں آنکھیں کھولے ہمیں تقریباً پانچ چھے برس کا عرصہ گزر چکا تھا مگر 'ہوش' نے آنکھیں کچھ ہی عرصے پہلے کھولی تھیں۔ اس وقت ہم بیسن پر جب بھی ہاتھ دھونے جاتے تو ایڑھیاں اوپر کر کے، کسی بڑے کی مدد سے نل کھلوا کر، صابن ہاتھ میں لے کے ہاتھ بمشکل آگے کر کے پانی کی دھار سے انھیں بغل گیر کرواتے تھے کہ بیسن قد میں ہم سے قدرے اونچا تھا۔ بیسن کے اوپر ایک آئینہ بھی لگا ہوا تھا مگر اس وقت بغیر کرسی اسے دیکھا نہیں جا سکتا تھا۔ ان دنوں کرسی کی مدد سے جب بھی اپنا عکس اس دیوار پر لگے چوکور آئینے میں دیکھتے تو جگہ جگہ سے دانت غائب نظر آتے۔ لیکن اس کی بھی ایک معقول وجہ اس وقت ہمارے پاس موجود تھی۔ دراصل ہمارے دانت چوہا لے گیا تھا!

ہمیں آج بھی یاد ہے کہ یہ جملہ ہمیں آخر ذہن نشین ہوا کیسے تھا؟ جب بھی کوئی بڑا پوچھتا: ''تمھارے دانت کہاں گئے؟'' اور ہم ہکا بکا سے، بوکھلائے ہوئے انھیں تکنے لگتے تو جواب نہ پا کر وہ خود ہی ہنستے ہوئے جواب دے ڈالتے: ''تمھارے دانت چوہا لے گیا ہے!''

اور بس وہیں سے یہ جملہ ہمیں ازبر ہو گیا۔ اس وقت ہم یہ منظر سوچتے تو دل میں ہول سے اٹھتے تھے۔ ہم نے اپنے بڑے بھائی بہنوں اور قصے کہانیوں میں تو یوں سن رکھا تھا کہ بچے جب رات کو اپنا دانت تکیے کے نیچے چھپا کر سوتے ہیں تو ایک پری آ کر ان کے تکیے کے نیچے سے دانت اٹھا کر وہاں سنہری سکے رکھ جایا کرتی ہے مگر ہمارے نصیب میں پری کی جگہ وہ بدصورت چوہا کیوں لکھا تھا! پھر ہم بھی صبر سے اس دن کا انتظار کرنے لگے کہ جب ہمارے بچے کچے دانتوں میں سے کوئی دانت ٹوٹے اور ہم بھی یہ تجربہ کر کے دیکھ پائیں۔

کچھ ہی وقت گزرا ہوگا جب زندگی کی ریل گاڑی نے ہمیں ہماری زندگی کے ساتویں اسٹیشن پر اتار دیا۔ جب ایک دن صبح اٹھے تو ایک نچلے دانت پر زبان لگا کر محسوس کیا کہ وہ ہل رہا ہے۔ ہاں! وہ واقعی ہل رہا تھا!

پھر تو آؤ دیکھا نہ تاؤ، ہم کرسی لگا کر بیسن کے دہانے پر بیٹھ کر کتنی ہی دیر وہ دانت آئینے میں دیکھنے لگے اور اپنے ہاتھ سے اسے کھینچنے کی کوشش کرتے رہے مگر پھر درد کی ٹیسیں اٹھنے لگتیں۔ بالآخر ہم نے فریج سے سیب نکال کر اپنے دانت اس میں کچھ اس طرح پیوست کر دیے کہ یہ وار تابوت میں آخری کیل ثابت ہوا اور دانت ہماری جھولی میں آ گرا۔ درد ہوا مگر سکوں کو پا لینے کی خواہش اس پر غالب آ گئی۔ ہم نے دانت اٹھایا اور پہلے پانی سے خوب کلیاں کیں تا کہ خون منہ سے خارج ہو جائے اور پھر دل بھر کے اسے دیکھتے رہے۔ مگر یہ کیا؟ وہ تو ایک بدصورت سا، سکڑا ہوا سا دانت تھا۔ خیر اسی پر اکتفا کرتے ہوئے ہم رات کو دانت اپنے تکیے کے نیچے رکھ کر سو گئے۔ صبح بیدار ہوتے ہی جب ہم نے بڑی امید سے تکیہ اٹھایا تو وہی گندا سا دانت ہمیں منہ چڑا رہا تھا! یہی وہ دن تھا جب ہم بھی اپنے بچپن کی اس خوش فہمی سے نکل آئے اور ان قصے کہانیوں پر بے انتہا غصہ آیا۔

کچھ ہی عرصے میں ہماری ڈاڑھوں میں ٹافیاں، چاکلیٹیں اور کولڈ ڈرنک کی زیادتی سے کیڑا لگ چکا تھا۔ ایک کیڑا تو ایسا شیطان تھا کہ اپنے ساتھ ہماری اوپری، دائیں ڈاڑھ میں بے پناہ درد لے آیا۔ درد ایسا اُٹھا کہ ایک دن کے اندر اندر دایاں گال پھول کر کپا ہو چکا تھا۔ امی نے کچھ ٹیوبز اور گھریلو ٹوٹکے بھی آزمائے مگر بے سود! آخر کار دندان ساز سے فون پر بات کر کے اگلے ہی دن کا وقت مل گیا اور ڈاڑھ نکلوانے کا فیصلہ ہو گیا۔ ہم خوشی خوشی دندان ساز کے کلینک پہنچے کہ اب اس درد کے چنگل سے آزادی مل ہی جائے گی۔ کچھ ہی دیر میں دندان ساز نے ہمیں انتظار گاہ سے اندر کی طرف بلایا اور ہمارا بایو ڈیٹا امی سے لینے کے بعد ہم سے سوال کیا: ''بیٹا! آپ کی کون سی ڈاڑھ میں درد ہے؟''

یہ وہ وقت تھا جب پہلی بار ہمیں شدت سے احساس ہوا کہ درد اوپری دائیں

اٹلانٹس پبلکیشنز
ویب سائٹ سے آرڈر کا طریقہ www.atlantispublications.com.pk
اشتیاق احمد کے اور یجنل ناولوں کے اوّلین ایڈیشن جدید، دیدہ زیب، خوبصورت، اعلیٰ معیاری طباعت میں اٹلانٹس پبلی کیشنز سے شائع ہوتے ہیں
اشتیاق احمد کے ناول اور دیگر کتابیں آرڈر کرنے کے لئے ویب سائٹ کے ہوم پیج کے اوپر BOOK SHELF پر کلک کریں اور پھر اپنی پسند کی کیٹگری پر کلک کریں، اپنی مطلوبہ کتاب کے ٹائٹل کے ساتھ ADD TO CART کے بٹن پر کلک کرتے جائیں، آپ اوپر دائیں کونے پر باسکٹ کے نشان پر اپنی منتخب کردہ کتب کی کل قیمت دیکھ سکتے ہیں۔ آرڈر فائنل کرنے کے لئے اس باسکٹ کے نشان پر کلک کر کے ایک مرتبہ رعایتی بل اور ڈلیوری چارجز دیکھ کر CHECKOUT کے بٹن پر کلک کر دیں۔ اپنا مکمل نام، مکمل پتہ اور رابطہ نمبر کی مکمل تفصیلات درج کر کے NEXT پر کلک کریں۔ ادائیگی کے طریقوں میں سے ایک کا انتخاب کر کے PLACE ORDER پر کلک کر دیں۔ آپ کا آرڈر ہمیں موصول ہو جائے گا۔ کال کنفرمیشن کے بعد آپ کا پارسل تین سے سات روز میں ڈلیور ہو جائے گا۔ واٹس ایپ میسج 0348-2568546 | فون 021-35050786, 0300-2472238
آپ اپنے پسندیدہ ناول facebook.com/InspectorJamshed اور facebook.com/atlantispublications سے بھی آرڈر کر سکتے ہیں۔
ناولوں کے پہلے ایڈیشنز کے نئے پرنٹ، اوریجنل سرورق، اشتہارات اور بچوں کے خطوط کے ساتھ

ڈاڑھ میں نہیں بلکہ درد نچلی دائیں ڈاڑھ میں نقل مکانی کر چکا ہے! کیا کریں کون سی ڈاڑھ نکلوائیں...... ذہن اس کشمکش میں پڑا تھا۔ کہیں غلط ڈاڑھ نہ نکلوا دیں۔ ہم یہ سوچ ہی رہے تھے کہ جانے کب ہمارے منہ سے درد کی شدت کی وجہ سے ''نچلی دائیں ڈاڑھ' ' کا لفظ نکل گیا اور ہمارا منہ سن کر دیا گیا۔ کچھ ہی دیر میں ہم پلاس نما اوزار سے اپنی ڈاڑھ نکلوانے کے بعد کلینک کے باہر کپ والی آئس کریم کھاتے پائے گئے تاکہ منہ کو کچھ فرحت بخش احساس ملے۔

وقت کی پیٹھ پر بیٹھ کر جب ہم زندگی کی آٹھویں یا نویں بہار تک پہنچے تو دھیرے دھیرے ہمارے منہ میں دانت آنے لگے تھے جیسے ہمارا منہ کوئی سرخ و گلابی سا گاؤں ہو جہاں سفید فام لوگ باری باری منتقل ہو رہے تھے۔ ہمیں خوشی تھی کہ اس بار دانت دودھ کے نہیں سیمنٹ کے...... یعنی پکے آ رہے تھے! کچھ نیچے کچھ اوپر، اور سامنے کی طرف سے اوپر والے حصے میں کونے کونے میں کچھ ایسے نوکیلے دانت بھی آ گئے تھے جو ہمیں ڈریکولا بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رہے تھے۔ یعنی بیچ کے چار دانتوں کی جگہ خالی اور دو کونوں میں نوکیلے اور چھری سے تیز دانت براجمان ہو چکے تھے۔

انہی دنوں پودے اُگانے کا بھوت ہمارے سر پر سوار ہوا۔ ہم نے ایک گملا خرید کر چھت پر رکھ دیا۔ ہم روز صبح جلدی اٹھ کر پودے کو پانی دینے چھت پر جاتے اور پھر جب سورج کی کرنیں کچھ نرمی دکھانے لگتیں تو ساڑھے چار پانچ بجے کے وقت ہم پھر جا کر اسے پانی دے آتے۔ پھر تین دن طبیعت خرابی کے باعث ہم اس پودے کے پاس نہ جا سکے۔ چوتھے دن ہم صبح اٹھے تو اپنے دانتوں پر جب زبان پھیری تو فوراً کسی پکے سے دانت کی موجودگی کا اندیشہ ہوا۔ اسی وقت ہم بیسن کے پاس بھاگے اور کرسی لگا کر اپنا عکس دیکھنے لگے۔ سچ مچ ہمارے اوپر والی مسوڑھوں کے بیچ کے جو چار دانت آنے تھے، ان میں سے عین وسط والا ایک دانت، مسوڑھوں میں تشریف آوری کر چکا تھا اور اس وقت اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جگمگا رہا تھا، وہ کس قدر صاف ستھرا اور خوب صورت تھا، یہ دیکھ کر ہم پھولے نہیں سما رہے تھے اور پھر جلدی جلدی سیڑھیاں پھلانگ کر چھت پر پودے کو پانی دینے پہنچے۔

قدرت کا حسن اتفاق تو دیکھیے کہ جیسے ہی اس پودے پر نظریں مرکوز کیں، اس کی ایک پتلی مگر لمبی سی ٹہنی پر ایک پیلے اور نارنجی کے ملے جلے رنگ کا کھلا کھلا سا پھول، کونپل کا پردہ ہٹا کر پلکیں جھپک جھپک کر ہمیں دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ اسی وقت فوراً سے ہمارے منہ کے 'نو وارد' نے ہمارے فل سائز میں کھلے منہ کو کچھ سلیقے سے بند کرنے کی سعی کی اور دونوں انتہاؤں سے ہمارے ہونٹوں کو کچھ اس طرح سے کھینچ دیا کہ ہم بھی اس گیندے کے پھول کو دیکھ کر، اکلوتا بیچ کا دانت نکال کر مسکانے لگے کہ وہ پھول ہماری اس پودے پر محنت کا ثبوت تھا! اگر آپ ابھی یہ پوچھ رہے ہیں کہ آگے کیا ہوا تو ہم بھی آپ کو جواباً کہہ دیتے ہیں:

''دی ریسٹ از ہسٹری!'' (the rest is history)۔

نوٹ: 'دی ریسٹ از ہسٹری' ایک انگریزی محاورہ ہے جس کے معنی ہوتے ہیں کہ کوئی چیز جس کے بارے میں دوسرے اچھی طرح جانتے ہوں اور آپ کو اس کے بارے میں مزید بتانے کی ضرورت نہ پڑے۔

مسکراہٹ کے پھول

ایک امریکی شہری لاہور آیا۔ ٹیکسی میں بیٹھ کر ڈرائیور سے پوچھا:

''یہ شاہی قلعہ کتنے دن میں بنا؟''

''ایک ماہ میں۔'' اس نے جواب دیا۔

''ہمارے ملک میں ایسا بنایا جاتا تو ایک ہفتے میں بن جاتا۔'' اس نے فخریہ کہا۔

''یہ واپڈا ہاؤس کتنے دن میں بنا؟'' تھوڑا آگے جانے کے بعد امریکی نے پھر پوچھا۔

''صرف ایک ہفتے میں۔''

اس بار ڈرائیور نے کچھ فخریہ کہا۔

''اوہو۔۔۔ ہمارے ملک میں اگر بنتا تو صرف تین دن میں بن جاتا۔''

''اچھا یہ کتنے دن میں بنا؟'' مینار پاکستان کے پاس سے گزرتے ہوئے امریکی نے پوچھا۔

''پتا نہیں! صبح تو نہیں تھا!'' ڈرائیور نے کندھے اچکاتے بے نیازی سے جواب دیا۔ امریکی شہری اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

☆☆

ایک شخص کو راستے پر جاتے ہوئے بورڈ نظر آیا جس پر لکھا تھا۔ پڑھنے والا گدھا۔ اس کو بہت غصہ آیا، مٹا کر لکھ دیا۔ لکھنے والا گدھا۔

☆☆

ایک بادشاہ نے ایک دن کسی بات پر خوش ہو کر تمام قیدیوں کو رہا کرنے کا حکم دیا۔

''تم کب سے قید میں تھے؟'' بادشاہ نے ایک بہت نحیف اور کمزور بوڑھے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ کے والد کے وقت سے!''

بوڑھے نے لرزتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

بادشاہ کی آنکھ میں آنسو آ گئے۔ پھر اس نے غلام کو حکم دیا۔

''اس کو دوبارہ قید میں ڈال دو، یہ میرے والد کی نشانی ہے!''

☆☆

مرسلہ: عبداللہ عبیدالرحمٰن درخواستی

ہمّت کا پہاڑ ۳۴

راوی: سیہان انعام اللہ خان مرحوم

تحریر: رشید احمد منیب

استادِ محترم سی ہان انعام اللہ خان کے ساتھ رہ کر مجھے انسانی جسم میں موجود کمالات کے بارے میں کافی معلومات مل رہی تھیں۔ شوق، مستقل مزاجی، ہمت، یکسوئی اور محنت سے انسان عجیب وغریب کمالات حاصل کرلیتا ہے۔ ہرفن اور ہر ہنر کی ایک قیمت بھی ہوتی ہے جوانسان کو دینا پڑتی ہے۔ اس قیمت کوادا کیے بغیر کمال حاصل نہیں ہوتا۔ سی ہان نے مجھے کئی مرتبہ کہا کہ افسوس تم مجھے بڑھاپے میں ملے۔ جوانی میں مل جاتے توتمھاری ساری نزاکتیں ناک کے راستے نکال دیتا۔ وہ ایک سخت استاذ کی حیثیت سے جانے جاتے تھے لیکن ان کے ساتھ رہنے کے بعد اندازہ ہوا کہ وہ کلاس میں جتنے سخت طبیعت دکھائی دیتے تھے اسی قدر وہ اپنے شاگردوں کے لیے غیر معمولی طور پر شفیق اور مہربان استاذ تھے۔ انھیں ہمیشہ کام کے لڑکوں کی تلاش رہتی تھی۔ اگر کوئی بہادر، محنتی اور اطاعت گزار شاگرد مل جاتا تو اس کی بڑی قدر کرتے تھے۔ اپنی جیب سے اس پر خرچ کرتے۔ اس کے گھر چلے جاتے اور اس کے والدین سے کہتے کہ یہ بچہ میرے سپرد کردو۔

انھوں نے اپنے ہنر میں مہارت کے لیے بھاری قیمت ادا کی تھی۔ تمام زندگی اسی فن کی خدمت کے لیے وقف کردی۔ کلب ہی ان کی زندگی تھا۔ شدید بیماری سے قبل وہ پابندی سے کلب آتے رہے۔ نئے لڑکوں کو تیار کرنا، سیکھنے والوں پر محنت کرنا، نئے فائٹر تیار کرنا، مقابلوں کا انعقاد، کلاسوں کی ترتیب جاری رکھنا، اچھے لڑکوں کو کام دلانے کی فکر میں رہنا اور سب کی حوصلہ افزائی کرتے رہنا ان کی زندگی کا حصہ تھا۔ اس فن کے لیے ان کی فکر اور محنت کی وجہ سے پاکستان میں کیوکشن پھیل گیا۔ انھوں نے بنگلہ دیش، سعودی عرب، بحرین اور ازبکستان میں بھی کیوکشن کی بنیاد ڈالی۔ کیوکشن کے ساتھ ان کی محنت وجستجو کا سفر تیس سالوں سے زائد عرصے پر محیط رہا۔ اس دوران انھوں نے سیکڑوں فائٹ کیں۔ اٹھتر عالمی سطح کے مقابلوں میں حصہ لیا۔ صرف چھے میں انھیں شکست ہوئی۔ بہتر (۷۲) مقابلے انھوں نے جیتے۔ وہ چار مرتبہ نیشنل چیمپئن بھی رہے۔ ان کی فوجی خدمات اس کے علاوہ تھیں۔ میں چاہتا تھا کہ مارشل آرٹ سے متعلق ان کی زندگی کے تمام تجربات کو لکھ لیا جائے۔ ان کی زندگی کے آخری سالوں میں یہ کوشش شروع ہوئی، ان کی بہت سی باتیں ان کی حیات ہی میں لکھ لی گئی تھیں اور بہت سی باتیں میں نے اپنے سینے میں محفوظ رکھیں۔ میرے سوالوں کے جوابات میں انھوں نے زندگی کے متعدد واقعات بیان کیے۔ میں نے ان سے سوال کیا تھا کہ آپ نے تین غیر ملکی فوجیوں کو ایک انگلی سے کیسے مار ڈالا تھا؟ یہ داؤ آپ نے کہاں سے سیکھا تھا؟ جواب میں انھوں نے یہ واقعہ سنایا:

ایک مرتبہ میں ملائیشیا سے سنگاپور آیا۔ وہاں سے میں انڈونیشیا جارہا تھا۔ جہاز میں میرے برابر میں ایک ملائیشین نوجوان بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی باڈی سے میں نے اندازہ لگالیا کہ اس کا ہمارے ہی شعبے سے تعلق ہے۔ وہ کافی مضبوط جسم کا لگ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر نیکی کا اثر دکھائی دیا۔ میں سوچنے لگا کہ یہ کون ہوسکتا ہے؟ یہ شکل وصورت سے تومسلمان لگتا ہے، باڈی اس کی فائٹروں والی ہے۔ ہاتھ بھی کافی مضبوط لگ رہے ہیں۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسائی ہوئی تھیں اور وہ اپنے ہاتھ گود میں رکھ کر بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے انڈونیشین زبان آتی تو میں اس کے ساتھ باتیں کرلیتا۔ میں کچھ دیر بعد جب ایئر ہوسٹس نے چائے، پانی کا پوچھا تو اس نوجوان نے اس کی طرف دیکھے بغیر بات کی۔ میں سمجھ گیا کہ یہ پاک نظروں کا بندہ ہے اور پکا مسلمان ہے۔ مجھے خیال آیا کہ یہ نوجوان انڈونیشیا کے جنگجو گروپ سے تعلق نہ رکھتا ہو۔ ملائیشیا میں رہتے ہوئے مجھے انڈونیشیا کے جنگجو گروپوں کے متعلق معلوم ہوا تھا۔ میں نے سوچا کہ اسے چھیڑنا چاہیے تاکہ اس کا راز معلوم ہوسکے۔ نوجوان بچہ ہے جلدی غصے میں آجائے گا اور اپنے متعلق کچھ اشارہ ضرور دے گا۔ میں نے انگلش میں اسے چھیڑا اور کہا، تمھاری باڈی تو بڑی فٹ ہے، کچھ لڑنا بھی آتا ہے؟ اس نے کچھ حیرت اور کچھ غصے سے میری طرف دیکھا اور کہا، تم عمر میں مجھ سے کافی بڑے لگ رہے ہو، یہ بات کرنے کا کون سا طریقہ ہے؟ میں نے اسے تنگ کرنے کے لیے کہا کہ باڈی فائٹروں والی ہے اور باتیں ٹیچروں والی۔ کیا ہم نیچے اُتر کر ایک فائٹ کرلیں؟

اس نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور منہ پھیر کر بیٹھ گیا۔ اچانک میری نظر اس کے ہاتھ کے کٹس پر پڑی۔ مجھے یقین ہوگیا کہ اس کے بازوؤں میں زبردست قوت بھری ہوئی ہے۔ اس سے مقابلہ بالکل بھی آسان نہ ہوگا۔ اب تو مجھے اور بھی تجسس ہوا۔ میں نے اسے پھر چھیڑا اور کہا، بازوؤں کے مسل بنا لینے سے کوئی فائٹر نہیں بن جاتا۔ مقابلہ کرکے دکھاؤ تو فائٹر مانوں گا۔ اس نے میری طرف غور سے دیکھا، میں بھی اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں نیکی، بہادری اور ہمت مجھے صاف دکھائی دی۔ میرا دل چاہا کہ اس کی پیشانی چوم لوں۔ وہ مجھے اپنے بیٹے کی طرح محسوس ہوا لیکن میں نے اپنے چہرے پر تھوڑی سی سختی پیدا کر کے کہا:

”دیکھو میں تمھیں پہچان چکا ہوں کہ تم ایک فائٹر ہو، لیکن میں تمھارا ہنر دیکھنا چاہتا ہوں تو پھر ہوجائے نیچے اتر کر ایک فائٹ؟“

ایک لمحے کے لیے اس کے چہرے پر غصہ نمودار ہوا لیکن پھر اس نے غصے پر قابو پالیا اور مجھ سے پوچھا: ”کیا تم اپنا تعارف کرواؤ گے؟“

میں نے جواب دیا:

”نہیں، مجھے خدشہ ہے کہ تم میرا نام سن کر لڑنے کا ارادہ ترک کردوگے۔“

میری بات سن کر اس کے چہرے پر ایک طنزیہ مسکراہٹ نمودار ہوگئی۔ کہنے لگا: ”اچھا کیا تم اپنے ملک کے بارے میں بتاؤ گے؟ تم ایرانی ہو، افغانی ہو یا پاکستانی ہو؟“

میں نے کہا: ”چلو اگر میں کہوں پاکستانی ہوں تو؟“

یہ سن کر اس نے اپنا سیدھا ہاتھ آگے بڑھایا اور کہا: ”کیا میں آئی خان سے ہاتھ ملا رہا ہوں؟“ میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ بلاشبہ فولادی پنجہ تھا۔

میں نے حیرت سے کہا: ”تمھیں میرے نام کا اندازہ کیسے ہوگیا؟“

اس نے مسکرا کر کہا: ”آپ کا نام ہم تک پہنچ چکا ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ پاکستان میں بھی کوئی فائٹر پیدا ہوا ہے، لیکن آپ کی عمر مجھ سے زیادہ ہے۔ میں آپ سے فائٹ نہیں کروں گا، البتہ آپ میرے ساتھ کچھ وقت گزاریں، میں آپ کو ایک ہنر دکھاؤں گا۔ اس کے بعد اگر آپ نے چاہا تو فائٹ بھی ہوجائے گی۔“

اس کی انگریزی مجھ سے بھی کمزور تھی۔ کچھ الفاظ اور چہرے کے تاثرات اور اشاروں

حیرت انگیز آفر! 50% OFF
کاوش صدیقی کے تمام ناول اور کتابیں آدھی قیمت پر
خوبصورت کتب پر مشتمل کتاب نگر میں خوش آمدید!
ہماری ویب سائٹ پر آرڈر کرنے کا طریقہ:
نوٹ: یہ آفر محدود مدت کے لیے ہے۔
گھر بیٹھے معیاری اور بہترین کتابوں کی خریداری کے لیے ابھی ہماری ویب سائٹ "کتاب نگر" وزٹ کیجیے اور حاصل کریں بے شمار کتابیں وہ بھی حیرت انگیز ڈسکاؤنٹ پر۔
ہزاروں کتابیں ایک کلک پر
ہم نے آباد کیا ہے آپ کے لیے
کتابوں کا ایک نیا جہاں
کاوش صدیقی کے ناول اور کتابیں آرڈر کرنے کے لیے ویب سائٹ کے ہوم پیج کے دائیں طرف Categories پر کلک کریں اور پھر "Kawish Siddiqui" پر کلک کریں، اپنے مطلوبہ ناول کے ٹائٹل کے نیچے "ADD TO CART" کے بٹن پر کلک کرتے جائیں، دائیں جانب بنے باسکٹ کے نشان کے اوپر آپ اپنی منتخب کردہ کتب کی کل قیمت دیکھ سکتے ہیں۔ آرڈر فائنل کرنے کے لیے اس باسکٹ کے نشان پر کلک کر کے ایک مرتبہ رعایتی بل اور ڈیلیوری چارجز دیکھ کر "CHECKOUT" کے بٹن پر کلک کر دیں۔ اپنا مکمل نام، مکمل پتہ اور رابطہ نمبر کی مکمل تفصیلات درج کر کے "Place Order" پر کلک کر دیں۔ آپ کا آرڈر ہمیں موصول ہو جائے گا۔ کال کنفرمیشن کے بعد آپ کا پارسل پانچ سے سات دن تک ڈلیور ہو جائے گا۔ شکریہ
ویب سائٹ: www.kitaabnagar.com

سے ہم دونوں کام چلا رہے تھے۔ جب ہم ایئر پورٹ کی حدود سے نکلے تو وہ مجھے اپنے ساتھ ایک جوس کی شاپ پر لے گیا۔ ایک کونے میں بیٹھ کر اس نے ایک سالم ناریل منگوایا اور دو گلاس انناس کے شیک کا آرڈر کر دیا۔ اس جگہ ہمیں کوئی نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا، اب آپ میرا ہنر دیکھیں۔ یہ کہہ کر اس نے ایک الٹے ہاتھ سے ناریل تھاما اور سیدھے ہاتھ کی شہادت والی کھڑی انگلی مار کر اس میں سوراخ کر دیا۔ ناریل سے پانی بہنے لگا۔ میں یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گیا۔

میں نے کہا: ''اب فائٹ کی ضرورت نہیں رہی۔ یہ بتاؤ کہ یہ ہنر تم نے کہاں سے سیکھا۔''

اس نے جواب دیا کہ آپ کے پاکستانی ہونے کی وجہ سے میں نے اپنے فن کا مظاہرہ کر دیا ورنہ میں آپ کو اس کی ہوا بھی نہ لگنے دیتا۔ پاکستان کے ساتھ ہماری خاص محبت ہے۔ ہم پاکستانیوں کو دیکھ کر پگھل جاتے ہیں، بس آپ مجھ سے مزید کوئی سوال نہ کیجیے، میں آپ کو اور کچھ نہیں بتاؤں گا۔

میں نے کہا کہ ٹھیک نہ بتاؤ۔ تم کب تک نہیں بتاؤ گے، میں تمھارے ساتھ ہی رہوں گا۔ جس کام سے آیا ہوں، اسے چھوڑ کر تمھارے ساتھ گھومتا رہوں گا۔ کبھی نہ کبھی تو مجھ پر یہ راز آشکارا ہو ہی جائے گا۔

اس لڑکے نے جواب دیا: ''میرے دل میں آپ کی بہت عزت ہے، میں آپ کو اپنے ماسٹر کے پاس لے چلتا ہوں، اگرچہ اس اجازت نہیں ہے، لیکن مجھے امید ہے کہ آپ کی وجہ سے مجھے معافی مل جائے گی۔ آپ یہ بتائیں کہ کیا آپ کسی کو بتائے بغیر میرے ساتھ چل سکتے ہیں؟ اتنی دیر میں انناس کا شیک ہماری میز پر پہنچ چکا تھا، میں نے کہا کہ اجازت دو تو یہ گلاس ختم کر لیں؟ اس کے بعد جہاں چاہو، مجھے لے چلو۔''

وہ نوجوان مجھے اس شہر سے دوسرے شہر لے گیا۔ ایک جگہ ہم نے لانچ میں سفر کیا۔ پھر ایک جیپ پر سفر کر کے کسی جنگل میں داخل ہو گئے۔ کئی گھنٹے ہم جنگل میں چلتے رہے۔ آخر ہم ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں ایک چھوٹی سی فوج موجود تھی۔ نوجوان مجھے ایک جھونپڑی میں بٹھا کر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد وہ نوجوانوں کے ساتھ واپس آیا۔ ان میں سے ایک نوجوان کو اردو بول چال آتی تھی۔ معلوم ہوا کہ وہ پاکستان کے کسی مدرسے سے پڑھا ہوا ہے۔ وہاں موجود سب ہی نوجوان نیک اور پرہیز گار معلوم ہو رہے تھے۔ وہ مجھے اپنے استاذ یا کمانڈر کے پاس لے گئے۔ استاد نے مجھ سے سلام دعا کی۔ اسے ٹوٹی پھوٹی اردو اور ہندی کے کچھ الفاظ معلوم تھے۔ وہ نہایت جنگجو آدمی دکھائی دے رہا تھا لیکن دل کا اچھا انسان تھا۔ اس نے کہا کہ آئی خان، ہم تک آپ کا تذکرہ پہنچ چکا ہے۔ ہم آپ کو اپنے یہاں خوش آمدید کہتے ہیں۔ آپ ہمارے مہمان ہیں۔ جتنا عرصہ دل چاہے یہاں ہمارے ساتھ رہیں۔ ہمیں بہت خوشی ہوگی۔ میں نے کہا کہ میں مہمان بننے نہیں آیا۔ میں وہ فن سیکھنے آیا ہوں جو کہ اس نوجوان کو آتا ہے۔

یہ سن کر استاد سوچ میں پڑ گیا۔ کہنے لگا کہ کیا آپ حافظِ قرآن ہیں؟ میں نے کہا، کاش کہ ہوتا، مجھے تو چند ہی سورتیں یاد ہیں۔ اس نے کہا کہ ہم یہ فن اپنے بہت خاص لوگوں کو سکھاتے ہیں۔ باہر کے کسی فرد کو نہیں سکھاتے۔ آپ حافظِ قرآن ہوتے تو ہم آپ کے لیے گنجائش نکال لیتے۔ میں نے جواب دیا کہ چلو ہو سکتا ہے کہ میں کبھی حافظِ قرآن کا والد بن جاؤں۔ فی الحال تو میرا ایک ہی بیٹا ہے۔

وہ کہنے لگے، ہم کسی اجنبی کو آپ قریب بھی نہیں آنے دیتے۔ چوں کہ ہمیں آپ کے متعلق علم تھا اسی لیے آپ یہاں تک پہنچ گئے۔ اب یوں ہے کہ آپ ہفتے تک ہمارے ساتھ رہ سکتے ہیں۔ اس کے بعد آپ کو واپس جانا ہوگا، کیوں کہ ہم یہ جگہ چھوڑ کر کہیں گم ہو جائیں گے۔ ایک ہفتے کے دوران آپ جو سیکھ سکتے ہیں سیکھ لیجیے۔ ہم آپ کو مستقل اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتے۔ یہ ہماری مجبوری ہے۔ اب بھی پاکستان کے ساتھ محبت اور آپ کو جاننے کی وجہ سے ہم نے آپ کی مہمان نوازی کا فیصلہ کیا ہے۔ میں نے اس استاد کا شکریہ ادا کیا۔ ایک ہفتے میں ان کے ساتھ کلاسوں میں شریک رہا۔ انھوں نے اعزازی طور پر مجھے بھی کلاس لینے کی پیش کش کی جو کہ میں نے شکریہ کے ساتھ قبول کی اور ان کے لڑکوں کو صحیح رگڑا دیا۔

استاد بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ کاش مجبوریاں نہ ہوتیں تو ہم آپ کے ساتھ مستقل رابطے رکھتے۔ ایک ہفتے کے دوران میں نے ان سے انگلی کو نیزے کے طور پر استعمال کرنے کا فن کافی حد تک سیکھ اور سمجھ لیا۔ میں وہاں ٹھہر سکتا تو یہ فن مکمل کر کے ہی لوٹتا لیکن مجبوری تھی۔ ایک ہفتے کے بعد میں وہاں سے واپس آ گیا۔ وہ نوجوان شہر کی آبادی تک میرے ساتھ آیا۔ جب وہ مجھے رخصت کر رہا تھا تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ مجھے بھی ان سب لوگوں سے بہت محبت ہو گئی تھی لیکن ہمارے درمیان بہت سی مجبوریاں رکاوٹ بن گئی تھیں۔ میں زندگی میں دوبارہ ان لوگوں سے نہیں مل سکا۔

جاری ہے

اللہ کی یاد

عمارہ اقبال۔قائم پور

آج فائزہ جلدی اُٹھ گئی تھی، اس نے والدہ کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی اور والدہ کے ساتھ مل کر اللہ سے لمبی سی اور اچھی سی دعا مانگی، پھر والدہ تو باورچی خانے میں چلی گئیں اور فائزہ باہر اپنے چھوٹے سے باغیچے میں آ گئی، اسی باغیچے کے کونے میں ایک چھوٹا سا نیم کا درخت بھی تھا۔ فائزہ ہر اتوار والدہ کے کہنے پر اسی نیم کے پاس کرسی بچھا کر بیٹھ جایا کرتی جتنی دیر والدہ ناشتہ تیار کرتیں اتنی وہ قرآن پاک کی جو سورتیں زبانی یاد ہوتیں اور کچھ ذکرو اذکار وغیرہ پڑھ کر دادا دادی اور دوسرے رشتہ داروں کو تحفہ بھجا کرتی، باقی دنوں میں تو اسے اس وقت مدرسے جانا ہوتا تھا، اس کے بعد اسکول بھی، اس لیے وہ یہ کام ہر اتوار کو خوب تسلی سے اس نیم کے پاس بیٹھ کر کیا کرتی تھی۔ اسے بہت مزا آتا تھا یہاں پر، اتنی ساری رنگ برنگی چڑیاں صبح صبح وہاں آ جاتیں اور خوب چہچہاتیں۔ ڈھیر ساری تتلیاں بھی تو آ جاتی تھیں پھولوں پر، اتنی خوب صورت اور رنگ برنگی تتلیاں کہ اسے دیکھتے ہوئے پتا بھی نہیں چلتا تھا کہ تتلی پھول پر کہاں بیٹھی ہے۔

آج اس کی تسبیح مکمل ہوئی ہی تھی کہ پرندوں کی طرح طرح کی پیاری چہچہاہٹ میں ایک نئی اور بہت خوب صورت آواز نے اسے حیران کر دیا۔

ارے یہ کون سا پرندہ ہے!!؟

وہ جلدی سے قریبی دیوار پر لگی کھونٹی پر تسبیح لٹکا کر واپس آئی تو ایک بہت پیارا پرندہ ننھے نیم کی ٹہنی پر بیٹھا چہچہا رہا تھا۔ سبحان اللہ اللہ جی کتنا پیارا پرندہ ہے۔

”پیارے پرندے ویسے تم بہت خوب صورت بولتے ہو۔“

اس نے جھٹ سے تعریف کر کے پرندے سے دوستی بھی گانٹھ لی، وہ حیران رہ گئی جب پرندے نے گردن مٹکا کر جھکتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا۔

”ارے! تم میری بات سمجھ رہے ہو کیا؟“ فائزہ خوشی سے اچھل پڑی۔ پرندہ بھی پھدک کر نچلی ٹہنی پر آ بیٹھا۔

”شرارتی دوست! کیا تم نے میری نقل نہیں کی!“ پرندے نے چہک کر ایک بار پھر دائیں بائیں نفی میں گردن ہلائی۔

”آہا پیارے اللہ جی! یہ تو مجھ سے باتیں کر رہا ہے!! امی...... امی!!!“

فائزہ تو خوشی سے سانس لینا تک بھول گئی فوراً والدہ کو پکارتی کچن میں جا پہنچی۔

”امی وہاں...... باہر نیم کے درخت پر...... ایک بہت پیارے پرندے نے مجھ سے بات کی۔“

فائزہ نے خوشی سے پھولی سانسوں میں اَٹک اَٹک کر بتایا۔

”اچھا!!“ والدہ دھیما سا مسکرائیں اور روٹی توے پر ڈال دی۔

”امی! بھلا یہ پرندے جب بولتے ہیں کیا کہتے ہیں؟ کیا واقعی وہ میری بات سمجھ رہا تھا؟“ فائزہ کا سوال نامہ شروع ہو چکا تھا اس لیے والدہ نے جلدی سے کام سمیٹا اور باہر اپنے چھوٹے سے باغیچے میں آ گئیں۔

”امی! یہ ہر وقت کیا بولتے ہیں اتنے سارے پرندے؟“ والدہ نے اپنی لاڈو کو اپنے پاس بٹھایا اور بولیں:

”وہ کہہ رہا ہے کہ اللہ ہے...... اللہ ہے......؟“

”کیا مطلب؟ سب کو پتا تو ہے کہ اللہ ہے......“

”نہیں بیٹا کچھ لوگ نہیں جانتے۔ وہ کہتے ہیں کہ دنیا خود بخود بن گئی۔ بھلا ایسے بھی ہوتا ہے۔ اسی لیے تو اللہ نے اتنے خوب صورت پرندے بنائے۔ اچھی آوازیں دیں تاکہ ہم حیران ہو کر تجسس میں پڑیں اور پھر اس کے بنانے والے کو کھوج لیں تو پھر اس کو جاننے کی کوشش کریں اور آخر کار اسے مان لیں۔“

”امی! اب تو دنیا نے بہت تحقیق کر لی اللہ کو جان لیا پھر مانتے کیوں نہیں ہیں؟“

”بیٹا ان کے دل چھوٹے ہیں وہ بہادر نہیں ہیں بہت ساری بُری باتیں انھیں چھوڑنی پڑیں گی، اس لیے وہ اللہ کو نہیں مانتے۔ اصل میں سمجھ دار تو بالکل بھی نہیں ہیں بہادری بھی تو سمجھ کے ساتھ آتی ہے ناں۔“

”اچھا!! تو امی ہم سمجھ دار ہیں!! لیکن ہمارا دل اتنا بڑا کیسے ہے؟ ہم کیوں بہادر ہیں؟“

”ہاں یہی تو اصل بات ہے، دراصل یہ والی ساری صفات جو مسلمانوں کے پاس ہیں یہ سب اللہ کی ہیں۔ اللہ بہت بڑے ہیں اس لیے ہمارا دل بھی بہت بڑا ہے اور ہم بڑی بڑی علم کی باتیں سمجھ جاتے ہیں۔ اللہ بڑے عظیم الشان ہیں طاقت ور ہیں ان کی طاقت سے ہمارے پاس بہادری آتی ہے۔ اللہ معاف کرنے والے ہیں سو ہمارے دلوں میں بھی نرمی ہے، اللہ محبت کرنے والے ہیں ان کی صفت سے تھوڑا حصہ ہمیں بھی ملا ہم بھی محبت کرنے والے ہیں۔“

بچوں کے لیے شرح
ہر مبارک نام کے ساتھ ایک واقعہ/کہانی
اسمائے حسنیٰ
Rs 1650/-
Rs 1320/-
تین کتابوں کا سیٹ

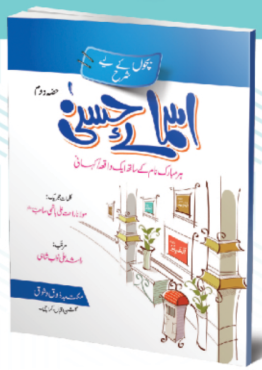

- 8 سے 12 سال کی عمر کے بچوں کے لیے لکھی گئی خوب صورت کتاب۔
- بچوں کا اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط کرنے کے لیے ایک ایمان افروز کتاب
- اللہ تعالیٰ کے مبارک ناموں کی تشریح پر مشتمل تین حصے
- اللہ تعالیٰ کے ہر مبارک نام کے ساتھ ایک واقعہ / کہانی اور مسنون دعا کا ذکر
- واقعات اور کہانیوں کے ذریعے بچوں کے عقائد و نظریات بہتر کرنے کا نیا انداز۔
- مستند علمائے کرام کی تصدیق کے ساتھ۔ • تینوں حصے دیدہ زیب ڈیزائننگ کے ساتھ۔

بیت العلم (الوقف)
خود بھی مطالعہ کیجیے اور متعلقین کو تحفے میں دے کر کتاب دوست بنائیے۔
کراچی، سندھ +92-309-2228082/89/94 لاہور، پنجاب +92-306-0142297 خیبر پختون خوا +92-309-2228078 بلوچستان +92-309-2228084
برائے تجاویز +92-322-2583196 گھر پر منگوانے کے لیے maktababaitulilm www.mbi.com.pk

''امی!! تو......اللہ جی محبت کرنے والے ہیں؟ تو کیا وہ ہم سے بھی محبت کرتے ہیں؟''

''جی بیٹا بالکل......بہت زیادہ ہاں بیٹا بہت زیادہ......''

''پھر بھی کتنی زیادہ؟'' فائزہ کی تسلی نہیں ہو رہی تھی۔

والدہ مسکرائیں اور بولیں: ''جیسے آپ کچھ دن پہلے مجھ سے کہا تھا کہ امی! آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں، میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں، میں نے پوچھا تھا کہ کتنی؟ آپ نے کہا تھا کہ میں بتا نہیں سکتی۔'' (فائزہ یہ سن کر شرما کر منہ چھپانے لگی) بالکل ویسے ہی اللہ ہم سے اتنی محبت کرتے ہیں کہ بتا نہیں سکتی۔''

''امی! آپ کو یاد رہی میری بات؟'' فائزہ شرمائی شرمائی سی بولی۔

''بیٹا مجھے آپ کی ہر بات یاد رہتی ہے۔ اچھا! آپ کو لگتا ہے ناں کہ میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں!؟''

والدہ نے اسے آغوش میں بھر لیا۔ فائزہ نے پرندے کی طرح اثبات میں سر ہلایا۔

''تو ایسا کرو میری والی محبت کو ذہن میں رکھ کر اس جیسی ہی بلکہ اس سے بھی اچھی والی کو ستر دفعہ ملا کر سوچو۔''

''ایک......دو......تین......ستر! امی! یہ تو بہت زیادہ محبت ہو گئی ہے۔''

''یہی تو بات ہے کہ اللہ جی ہم سے ستر دفعہ سے بھی زیادہ والی محبت کرتے ہیں۔''

''امی! مجھ سے بھی!؟''

''بالکل! آپ سے بھی۔''

''لیکن امی اللہ تعالیٰ کو کیسے پتا ہے کہ فائزہ فاز کون ہے کہاں رہتی ہے؟''

''بیٹا آپ کہیں بھی ہوتی ہو میں آپ کو ڈھونڈ لیتی ہوں ناں، آپ اس پر حیران بھی ہوتی ہو ناں اور اصل بات یہ ہے کہ جس سے محبت ہوتی ہے انھیں ہم ڈھونڈ لیتے ہیں، ایک اور مزے کی بات!!! اللہ نے تو آپ کو بھلایا ہی نہیں ہے جو انھیں آپ کو ڈھونڈنا پڑے، اللہ جی تو اب بھی آپ کو یاد کر رہے ہیں......''

''واقعی امی!! لیکن آپ کو کیسے پتا چلا؟''

''بیٹا! آپ کو پتا ہے ناں جب ہم کسی کو یاد کر رہے ہوں تو اس کا مطلب ہے وہ بھی ہمیں یاد کر رہے ہیں؟''

''امی......امی......میں بتا نہیں سکتی مجھے کتنی خوشی ہو رہی ہے......اللہ تعالیٰ فائزہ فاز کو یاد کر رہے ہیں، دنیا جہاں کے خالق......عظیم الشان اللہ تعالیٰ کو فائزہ فاز یاد ہے اور وہ اسے کبھی نہیں بھولے!''

فائزہ ابھی تک دم بخود تھی، پیارے اللہ جی کی اتنی محبت نے اسے ہیبت زدہ کر دیا تھا۔ اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے اپنی خوش بختی پر ابھی تک وہ ایک ہی بات دہرا رہی تھی۔

خوب صورت پرندہ ابھی تک ٹہنی پر پھدک رہا تھا۔ فائزہ گود سے اتر کر دوڑتی ہوئی نیم کے پاس گئی...... پیارے دوست تم یہی کہہ رہے ہو ناں کہ اللہ ہے......! اللہ کو یاد کر رہے ہو ناں...... فائزہ نیم کے پاس کھڑی گردن اٹھائے پرندے کو بتا رہی تھی اور پرندہ بھی جیسے گردن مٹکاتے ہوئے بات کو سمجھ رہا تھا...... پیارے پرندے اور اللہ تعالیٰ بھی تمھیں یاد کر رہے ہیں، پیارے دوست اتنے سارے پرندوں کے اللہ تعالیٰ کو تم یاد ہو......!! فائزہ فاز یاد ہے......اور آپ بھی پیارے ننھے دوستو! اللہ تعالیٰ آپ کو یاد کر رہے تو ہم سب پر یہ لازم ہے کہ اللہ کو یاد کریں اس کی حمد و ثنا کریں۔ آؤ ناں! مل کر پڑھتے ہیں۔

☆☆☆

میر حجاز

اختر حسین عزمی

فتح کے بعد لشکر اسلامی میدانِ بدر میں ٹھہر گیا تھا۔ رات کافی بیت چکی تھی لیکن اللہ کے رسولؐ بار بار پہلو بدل رہے تھے۔ قریب موجود صحابہؓ یہ کیفیت محسوس کررہے تھے۔ بالآخر ایک صحابیؓ نے عرض کیا:

”یارسولؐ اللہ! کیا آپ کو نیند نہیں آرہی؟“

”چچا عباسؓ کے کراہنے کی آواز نے میری نیند اُچاٹ کردی ہے۔“ رسولؐ اللہ کے لہجے میں آپؐ کی رنجیدگی نمایاں تھی۔

آپؐ کے چچا عباسؓ بن عبدالمطلب اپنے بھتیجے کی سچائی کے قائل ہونے کے باوجود مصلحتاً اسلام کا اظہار نہیں کررہے تھے اور وہ کفارِ قریش کے ساتھ میدانِ بدر میں آئے تھے۔ قیدیوں کو باندھنے اور ان کی حفاظت کے ذمہ دار عمر فاروقؓ نے قیدیوں کی مشکیں خوب کس کر باندھی تھیں۔ جس کی وجہ سے عباسؓ بن عبدالمطلب کراہ رہے تھے۔ ان کے کراہنے کی آوازوں نے رحمتِ عالمؐ کو بے چین کردیا تھا۔ انصار کو جب آپؐ کے اضطراب کی وجہ معلوم ہوئی تو انھوں نے عباسؓ بن عبدالمطلب کی مشکیں ڈھیلی کردیں۔ جب عباسؓ کو کچھ راحت ملی تو وہ جلد ہی سوگئے۔ رحمت عالمؐ کو جب کراہنے کی آواز سنائی نہ دی تو آپؐ کو پھر تشویش ہوئی تو پوچھا: ”کیا بات ہے، میں عباسؓ کے کراہنے کی آواز نہیں سن رہا؟“

”یارسولؐ اللہ! ان کے بند ڈھیلے کردیے ہیں، اس وجہ سے وہ سوگئے ہیں۔“

”اگر ایسا ہے تو تمام قیدیوں کی بندشیں ڈھیلی کردی جائیں۔“ رحمت عالمؐ کی رحمت اپنوں اور غیروں سب کے لیے تھی۔

فاتحانہ واپسی

فتح کے بعد تیسرے دن امیر المجاہدین نے حکم دیا کہ ان کی اُونٹنی کا کجاوہ کسا جائے اور خود پیدل ایک طرف چل دیے۔ پیچھے پیچھے صحابہ بھی چل رہے تھے۔ یہاں تک کہ آپؐ اس اندھے کنویں کی منڈیر پر پہنچ گئے جس میں سردارانِ قریش کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ آپ نے منڈیر پر کھڑے ہوکر سردارانِ قریش اور ان کے باپوں کا نام لے کر ندا لگائی:

”اے ابوجہل بن ہشام، اے اُمیّہ بن خلف، اے عتبہ بن ربیعہ، اے شیبہ بن ربیعہ! اگر تم اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے تو کیا آج مسرور نہ ہوتے؟ اللہ اور اس کے رسولؐ نے جو تم سے وعدہ کیا تھا کیا تم نے اس وعدہ کو سچا نہیں پایا؟ میرے ساتھ تو میرے رب نے جو وعدہ کیا تھا، میں نے اسے برحق پایا۔“ اللہ کے نبیؐ کی یہ بات سن کر عمر فاروقؓ نے سوال کیا:

”یارسولؐ اللہ! آپ ایسے جسموں سے باتیں کررہے ہیں جن میں روح نہیں ہے۔“

”اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے، میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، اسے تم لوگ ان سے زیادہ نہیں سن رہے ہو۔ البتہ یہ جواب نہیں دے سکتے۔“

☆☆

لشکر اسلام عصر کے وقت مدینہ کے راستے میں اُثیل کے مقام پر پہنچ چکا تھا جب نبی اکرمؐ نے عبداللہؓ بن رواحہ اور زیدؓ بن حارثہ کو حکم دیا:

”تم دونوں آگے چلے جاؤ اور اہل مدینہ کو فتح کی خوش خبری سناؤ۔“

مدینہ پہنچ کر دونوں نے اعلان کرنے کے لیے مدینہ کے علاقے تقسیم کرلیے۔ عبداللہؓ بن رواحہ مدینہ کے بالائی محلوں میں جبکہ زیدؓ بن حارثہ مدینہ کے نشیبی محلوں میں اعلان کرنے کے لیے چلے گئے۔ اُونٹ پر سوار عبداللہؓ بن رواحہ نے ایک جگہ پہنچ کر بلند آواز سے اعلان کیا:

”یا معشر الانصار! رسولؐ اللہ کی سلامتی کی تمھیں خوشخبری ہو۔ بہت سے مشرک قتل کردیے گئے اور بہت سے جنگی قیدی بنا لیے گئے۔ ربیعہ کے دونوں بیٹوں، حجاج کے دونوں بیٹوں، ابوجہل، اُمیّہ بن خلف اور زمعہ بن اسود کو تہ تیغ کردیا گیا اور سہیل بن عمرو کے علاوہ بہت سے مکہ کے رئیسوں کو جنگی قیدی بنالیا گیا۔“

سردارانِ قریش کی شکست و ہلاکت اور اسیری کا اعلان اتنا معمولی نہ تھا کہ جس پر اتنی آسانی کے ساتھ یقین کرلیا جاتا۔ اہل مدینہ میں سے عاصمؓ بن عدی، عبداللہؓ بن رواحہ کے قریب ہوئے اور انھیں لوگوں سے ایک طرف لے جاکر پوچھا:

”اے رواحہ کے بیٹے کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟“

”واللہ میں سچ کہہ رہا ہوں۔“ عبداللہؓ بن رواحہ نے پُریقین لہجے میں جواب دیا: ”کل صبح اللہ کے رسول تمھارے پاس پہنچ رہے ہیں، ان کے ساتھ پابہ زنجیر جنگی قیدیوں کو تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے۔“ اس کے بعد عبداللہؓ بن رواحہ یہ خوشخبری سنانے گھر گھر پہنچ گئے۔ بچے خوشی سے دیوانہ وار دوڑے پھر رہے تھے اور چہک رہے تھے:

قتل ابوجهل الفاسق، فاسق وفاجر ابوجہل قتل کردیا گیا، ابوجہل قتل کردیا گیا۔“

زیدؓ بن حارثہ اللہ کے رسولؐ کی اُونٹنی قصویٰ پر سوار مدینہ کے نشیبی علاقے کی عیدگاہ میں پہنچے تو اعلان کرنا شروع کردیا:

”مشرکین مکہ عتبہ وشیبہ، ابوجہل، ابوالبختری، زمعہ بن اسود، اُمیّہ بن خلف موت کے گھاٹ اتر گئے۔ ان کے چیدہ چیدہ سرداروں کو قید کرلیا گیا ہے۔“ زید بن حارثہ جس وقت یہاں پہنچے، اہل مدینہ رسول اکرمؐ کی صاحبزادی اور عثمان بن عفان کی رفیقہ حیات رقیہؓ کو دفن کرکے ان کے مرقد پر مٹی ڈال رہے تھے۔ منافقین کو خوش فہمی تھی کہ قریش کا لشکر جرار مسلمانوں کی مختصر سی جماعت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کردے گا۔ ایک منافق نے جب زیدؓ بن حارثہ کو رسول اکرمؐ کی اُونٹنی پر سوار دیکھا تو بے ساختہ اس کا باطن ظاہر ہوگیا۔ اس نے ابولبابہؓ انصاری کو کہا:

”تمھارا لشکر ایسا تتر بتر ہوا ہے کہ پھر ان کے جمع ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ تمھارے لوگ اور محمدؐ قتل ہوگئے ہیں۔ دیکھتے نہیں ہو کہ زیدؓ جس اُونٹنی پر سوار ہے وہ محمدؐ کی قصویٰ ہے، ہم اسے بخوبی پہچانتے ہیں۔ یہ خود بھگوڑا ہے اور یہ اہل مکہ کے خوف سے اس قدر مرعوب ہے کہ اسے خود معلوم نہیں کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔“

زیدؓ بن حارثہ کے بیٹے اسامہؓ کو بھی اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ انہوں نے موقع پاکر اپنے والد سے پوچھا:

”اباجان! جو آپ کہہ رہے ہیں، کیا یہ حق ہے؟“

”اللہ کی قسم! میں سچ کہہ رہا ہوں۔“ زیدؓ کی یہ یقین آمیز بات سن کر اسامہؓ اس منافق کی طرف پلٹے اور اسے ڈانٹتے ہوئے کہا:

محمودالحسن عنایت ۔ ایبٹ آباد

نام کی لاج

شورسن کر وہ دُکان سے باہر نکل آئے۔ وہ علاقے کے باعزت افراد میں سے تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ کچھ لوگ کسی کو مار رہے تھے۔ معلوم ہوا ایک شخص چوری کرتے ہوئے پکڑا گیا۔ انھوں نے اسے چھڑوایا اور اپنی دکان پر لے آئے۔ دکان میں اسے بٹھا کر کھانا کھلایا اور خود باہر چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد آئے تو ساتھ میں درزی بھی تھا۔ اس نے چور کا ناپ لینا شروع کیا۔ فارغ ہوکر وہ اپنا کارڈ دے کر چلا گیا۔ چور ابھی تک حیرت سے سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ پھر انھوں نے ایک سوزوکی منگوائی اور چاول، آٹا، اناج وغیرہ کی بوریاں خرید کر اس میں رکھوائیں۔ چند نوٹ نکال کر اس کی جیب میں رکھے اور بولے:

''تمھیں جب کبھی پیسوں کی ضرورت ہو بلا جھجک میری دکان پر آ کر لے جانا مگر چوری کرکے اپنی دنیا و آخرت برباد نہ کرو۔ درزی اپنا کارڈ دے گیا ہے۔ اس سے جا کر کپڑے لے آنا۔ پیسے میں دوں گا۔''

تھوڑی دیر بعد وہ اسے لے کر کپڑوں کی دکان آ گئے۔ وہاں پانچ تیار شدہ جوڑے لیے اور اسے سوزوکی میں بٹھا کر کرایہ دیا۔ چور روتے ہوئے چلا گیا اور عہد کیا آیندہ کبھی چوری نہیں کروں گا۔

یہ میرے نانا جان کا سچا واقعہ ہے۔ دو سال پہلے ان کی وفات ہوئی اور اپنے والد صاحب کے قدموں میں سپرد خاک ہوئے۔ نانا جان جمیعت تعلیم القرآن کے تحت خیبر پختونخوا میں تمام مدارس کے صدر تھے۔ ان کے پاس ملک بھر سے خطوط آتے۔ مجھے کاغذات جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ میرے اصرار پر انھوں نے چند پرانے خطوط کو ایک فائل میں بند کرکے مجھے دیا تھا۔ میں اس فائل کو نہایت عقیدت اور شوق سے اپنے پاس سنبھال کر رکھتا۔ بڑا ہوکر پڑھنا لکھنا سیکھ گیا تو ایک دن فائل کھول کے پڑھنے لگا۔ جیسے جیسے میں پڑھتا گیا، حیرت انتہاؤں کو پہنچتی چلی گئی۔

ایک خط سے معلوم ہوا 2010 میں سوات کے علاقے میں جب سیلاب آیا تو پندرہ سو خاندانوں کی کفالت اور کھانے پینے کا انتظام انھوں نے اپنی تمام مصروفیات کو چھوڑ کر کیا تھا۔ کئی مکانات دوبارہ تعمیر کیے گئے تھے۔ ہماری امی کے پاس ایبٹ آباد میں ایک بوڑھی خاتون قرآن پڑھنے آتی تھیں۔ ایک دن باتوں باتوں میں کہنے لگیں کہ سوات میں ہمارا مکان سیلاب کی وجہ سے گر گیا تھا تو ایک بھلے آدمی نے اسے دوبارہ تعمیر کروایا۔ صحیح نہ بنانے پر گھر دوبارہ گرا تو انھوں نے مزدوروں سے اسے ایک بار پھر بنوا کر دیا۔ جب امی نے بتایا کہ وہ ان کے والد تھے تو وہ خاتون حیران رہ گئیں۔

ایک خط انھوں نے حکیم محمد سعید شہید کو بھی لکھا تھا جس میں انھیں سنت نبوی پر عمل کرتے ہوئے داڑھی رکھنے کی ترغیب دی۔ خط میں انھوں نے لکھا کہ حکیم سعید سے محبت کی وجہ سے نہ جانے کتنے لوگ داڑھی رکھ لیں گے۔ ان کے جنازے میں کئی لوگوں کو کہتے سنا کہ نہ جانے کہاں کہاں سے سفید ٹوپیوں والے الوداع کہنے آئے تھے، شاید اسی کے طفیل ہماری بھی بخشش ہوجائے۔ نانا جان اپنی زندگی میں کئی غیر مسلموں کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کا سبب بنے تھے جبکہ آخری وقت میں بھی لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بن گئے اور یوں اپنے نام ہدایت الرحمن کی لاج رکھی۔

''تم جھوٹ بک رہے ہو۔ اللہ کے رسولؐ جب تشریف لے آئیں گے تو جو کچھ تم نے کہا ہے، وہ انھیں بتاؤں گا اور تمھیں رسول اکرمؐ کے حضور پیش کروں گا۔ اللہ کے رسولؐ تمھارا سر قلم کردیں گے۔'' اسامہؓ بن زید نے جب اسے یہ دھمکی دی تو منافق گھبرا گیا اور کہنے لگا:

''میں نے تو سنی سنائی بات کہی ہے، یہ میری ذاتی رائے تو نہیں تھی۔''

☆☆

لشکر اسلامی نے واپسی کا سفر کرتے ہوئے جب وادی صفراء میں پڑاؤ کیا تو اللہ کے رسولؐ نے حکم دیا کہ قریشی سردار نضر بن حارث کو قتل کردیا جائے۔ غزوۂ بدر میں نضر قریش کا علَم بردار تھا اور قریش کے اکابر مجرمین میں سے تھا۔ محمدؐ عربی اور ان کی دعوت کو نیچا دکھانے کے لیے وہ عراق و ایران سے ساز ندے، گلوکار باندیاں اور داستان گو بھانڈ لے کر مکہ آیا تاکہ لوگ ان تفریحی مشاغل میں مگن ہوکر اللہ کے رسول کی سنجیدہ دعوت سے غافل ہو جائیں۔ جس نوجوان کے بارے میں اسے خبر ملتی کہ وہ قرآنی دعوت سے متاثر ہورہا ہے تو وہ ان تربیت یافتہ باندیوں میں سے کسی ایک گلوکار باندی کو اس نوجوان کے پیچھے لگا دیتا کہ وہ اس پر اپنی آواز کا جادو جگائے اور اس کو اپنے اوپر فریفتہ کرے۔ رسول اکرمؐ کی ہجو میں گھٹیا اشعار کہتا۔ آپؐ کو زچ کرنے کے لیے یہودی علما کی تائید حاصل کرنے یثرب پہنچ گیا تھا۔ رسولؐ اللہ کے حکم پر علیؓ بن ابوطالب نے نضر بن حارث کی گردن اُتار دی۔ لشکر اسلامی جب عرق الظبیہ کے مقام پر پہنچا تو آپ نے عقبہ بن ابی مُعیط کے قتل کا حکم صادر فرمایا۔ عقبہ اپنے تمام تر غرور اور تکبر کو بھول کر چلّا اُٹھا۔

''اے اللہ کے رسولؐ! میری چھوٹی چھوٹی بچیوں کا پرسان حال کون ہوگا؟''

''جہنم کی آگ۔'' اللہ کے نبیؐ نے فرمایا۔ آپؐ کے حکم پر جب عاصمؓ بن ثابت اسے قتل کرنے کے لیے آگے بڑھے تو اس نے کہا:

''ان سب قریشیوں کو چھوڑ کر مجھے ہی کیوں قتل کیا جارہا ہے؟''

''اللہ اور اس کے رسولؐ سے تمہاری عداوت کی وجہ سے۔'' عاصمؓ بن ثابت نے کہا۔

اب اللہ کے رسول نے انصار مدینہ کو بتایا:

''اس شخص نے جو زیادتیاں میرے ساتھ کی ہیں، کیا تم انہیں جانتے ہو؟ ایک روز مقام ابراہیمؑ کے پیچھے جب میں سربسجود تھا تو یہ آیا، اس نے اپنا پاؤں میری گردن پر رکھا اور پھر اس کو خوب دبایا، مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری آنکھیں باہر نکل پڑیں گی۔ پھر ایک دفعہ جب میں حالت سجدہ میں تھا تو اس نے اُونٹ کی بدبودار جیر میری گردن پر لا کر ڈال دی۔ وہ میرے اوپر پڑی رہی یہاں تک کہ میری بیٹی فاطمہ آئی۔ اس نے اُسے اتارا اور میرے سر اور گردن کو دھویا۔''

قریش کے یہ دونوں سردار جنگی قیدی ہی نہیں، جنگی مجرم بھی تھے۔ عاصمؓ بن ثابت نے تلوار کے ایک ہی وار سے عقبہ بن ابی مُعیط کی گردن اُتار دی۔

جاری ہے

سفر ایمان کا

زنیرہ خیر محمد۔ ملتان

ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ موسم گرما کا افتتاح تھا۔ نہر کے کنارے بڑھی ہوئی نرم گھاس پر وہ بنا رکے چلتا جا رہا تھا۔ بائیں جانب لگے درختوں کی تر و تازہ ٹہنیاں اس کے ماتھے سے ٹکرائیں لیکن وہ بے نیازی سے مسلسل رواں تھا۔

اس کے چہرے کے تاثرات اردگرد کے ماحول کے برعکس خشک تھے۔ اس کا رنگ متغیر ہو چکا تھا اور آنکھیں بے خوابی کے باعث سرخ ہو چکی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے صدیوں سے تھکا ہارا مسافر اپنے سفر سے عاجز آ چکا ہو لیکن اس کو منزل کی تعیین نہ ہو۔

دفعتاً اس کی نظر سرخ مائع پر پڑی اور وہ ٹھہر گیا۔ نجانے کس وقت پاؤں کو ٹھوکر لگی اور خون بہنے لگا تھا۔ اب کرب زدہ خوب صورت چہرے پر آنسو ٹپکنے لگے اور وہ پاؤں پکڑ کر ایک جانب کچی زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔

یہ کیا ہوا تھا؟

کیسا خواب تھا؟

جس کے باعث اس کی شروع رات میں ہی آنکھ کھل گئی تھی، وہ سفید کرتے اور پگڑی والا آدمی اور اس کے سامنے وہ بچوں کا مجمع اور اس کے عجیب سوالات۔

تم بتا سکتے ہو کرشن صراط مستقیم کسے کہتے ہیں؟

قرآن میں کن دو فرقوں کا تذکرہ ہے؟

کون ہیں دائیں جانب والے؟ اور کون ہیں بائیں جانب والے؟ سبقت کرنے والے اور پیچھے رہ جانے والے؟

اندھیروں سے روشنی کی جانب آنا کیسا ہوتا ہے؟ اور پھر اس کا مایوس چہرہ پھر اگلے الفاظ۔

تمھیں کیسے علم ہو سکتا ہے اس سب کا تم تو جانتے ہی نہیں کہ تمھارا بنانے والا کون ہے؟

تم کتنے بے وقوف ہو کرشن کیا تمھیں علم بھی ہے کہ جن مورتیوں سے تم عشق کرتے ہو کیا وہ تمھیں سنتے بھی ہیں حتیٰ کہ تو اپنے اوپر سے گرد بھی نہیں ہٹا سکتے چہ جائے کہ وہ تمھاری ضروریات کو پورا کر سکیں نکل آؤ اس اندھیر نگری سے۔

آواز ڈوبتی چلی جا رہی تھی اور درد بڑھ رہا تھا اب خون زیادہ بہنے لگا اس نے خون روکنے کے لیے اپنی سائیڈ جیب سے ہاتھ والا رومال نکالا اور کچھ مٹی زخم پر ڈالتے ہوئے پٹی باندھی اور کھڑا ہو گیا۔

اپنے پرانے عزم کو تجدید بخشتے ہوئے اب اس کا رخ اپنے گھر کی جانب تھا۔

کرشن پتر اُٹھی جاؤ، جیسے ہی ماں کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی وہ سستی سے انگڑائیاں لیتے ہوئے اٹھ بیٹھا۔ آج شاید پہلی مرتبہ سلیپنگ پلز استعمال کی تھیں۔ جس کے سبب نیند ہی نہیں کھل رہی تھی لیکن یہ وہ دن تھا جس کا وہ شدت سے منتظر تھا۔

ہندسرکار کی جانب سے فوج جوائن کرنے کا لیٹر ملتے ہی وہ ہواؤں میں اڑنے لگا تھا۔ اس کا دیرینہ خواب پورا ہونے لگا۔ کرنل رام چندر کی روح سے کیا گیا عہد اس کا اپنا عزم۔

اس نے لیٹر الٹ پلٹ کر دیکھا جو کہ اس کے سرہانے کی رکھا تھا۔ ہاں 29 جنوری یہی لکھا تھا نا، مسکراتے ہوئے اپنے بال سنوارتا وہ آج کے دن کو حسین سے حسین تر بنانے کے منصوبے بنانے لگا۔

آج رات پھر آنکھ کھل گئی تھی سوچتا رہا کب؟

تھوڑا تھوڑا یاد تھا کہ رات کو بتکلف دواؤں کے زیر اثر سویا اس نے اٹھنے اور بستر سے نکلنے کی کوشش کی لیکن شاید رات کو کھڑکیاں بند کرنا بھول گیا تھا جس کی وجہ سے اپنے بالکل قریب ہیٹر آن ہونے کے باوجود بھی سرد خانے کا احساس ہو رہا تھا۔

چند دنوں سے اس کی نیند بالکل اُڑ گئی تھی۔ آج بمشکل آنکھ لگی تو پھر وہی خواب۔

وہ اپنے کام میں بہت سخت سنجیدہ تھا۔ بہت سی خوبیوں کا منبع، اس کے بارے میں کہا جاتا تھا وہ ایک پرفیکٹ انسان ہے ہر لحاظ سے مکمل!

جس میں دنیا کو ہرا دینے کی صلاحیت ہے اس کا اپنا بھی یہی خیال تھا لیکن 20 سال کی عمر سے ایک ہی عجیب خواب جب بھی کوئی خاص موقع ہوتا اسے پریشان کر دیتا جس میں بہت ہی عجیب سوالات ہوتے تھے جس کی اس کو الف ب تک معلوم نہیں تھی بس اتنا معلوم تھا کہ اللہ کا وجود ہے جسے مسلم لوگ اپنا سب کچھ سمجھتے ہیں اور قرآن کوئی کتاب ہے۔

اور صراط مستقیم قیامت، جنت، جہنم، پل صراط وغیرہ جو سفید پگڑی والا سوالات کے ذریعے انوکھے الفاظ بولتا تھا وہ اس سے ناواقف تھا۔

اسے بعینہٖ وہ الفاظ تو یاد نہیں رہتے تھے اگرچہ اس خواب کا اثر دیر پا باقی رہتا۔ پہلے پہل تو ایسا شاذ و نادر ہوتا تھا لیکن اب کچھ روز سے مسلسل یہ خواب اسے

پریشان کررہا تھا۔

فجر کا وقت ہورہا تھا۔ یہ وقت کسی زمانے میں اس کی گہری نیند کا ہوا کرتا تھا اس نے ایک سرد آہ بھری اب وہ اونی چادر اوڑھے باہر جارہا تھا اس کا رخ باہر کیمپس کی طرف تھا جہاں اس کے ماتحت دنیا و مافیہا سے بے خبر گہری نیند میں تھے۔

اچانک چلتے ہوئے اسے علم ہوا کہ وہ تو کافی آگے نکل چکا تھا۔

اب اذانیں ہونے لگی تھیں۔ لیکن خلافِ معمول سمجھ نہیں آرہے تھے لیکن وہ الفاظ پر غور کرکے آگے آواز کی سمت بڑھتا گیا۔

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ...الخ

کیا اس اللہ کے ساتھ اور بھی تمھارا معبود ہے؟ بلکہ اکثر لوگ نہیں جانتے۔

وہ کون ہے جو مجبور کی دعا کو قبول کرتا ہے جب وہ اسے پکارے اور تکلیف کو دور کرتا ہے اور تمھیں زمین میں خلیفہ بناتا ہے؟

کیا تمھارا اس کے ساتھ دوسرا بھی کوئی معبود ہے؟ تم کم ہی غور وفکر کرتے ہو۔

مولانا صاحب نماز کے بعد بچوں کو درس دے رہے تھے جس جگہ وہ کھڑا تھا وہاں سے مسجد کی درسگاہ تو نظر نہیں آرہی تھی البتہ آواز آرہی تھی وہ خاموش کھڑا رہتا جب اچانک۔

تم؟ تم یہاں کیا کرنے آئے ہو؟ تمھیں مسلمانوں کے گھر اجاڑ کر ابھی سکون نہیں ملا جو اَب مسجد میں بھی آگئے ہو۔ لیکن سن لو تمھارا جو بھی پروپیگنڈا ہو، ہم مسلمان جان تو دے سکتے ہیں لیکن ہماری عبادت گاہوں پر آنچ آئے یہ برداشت سے باہر ہے۔

ایک بزرگ آدمی نے رک کر پہلے حیرانی پھر تنفر سے اسے مخاطب ہو کر کہا۔ لیکن وہ تو جیسے اپنی دنیا میں ہی نہیں تھا اس نے غائب دماغی سے اپنے گرد دیکھا تو اسے معلوم ہوا کہ وہ مسجد کے اندر وضوگاہ کی متصل دیوار کے ساتھ کھڑا تھا اس نے آگے حجرے میں جانے کی کوشش کی لیکن اس کے قدم ساکت ہو چکے تھے۔

نکل جاؤ یہاں سے غلیظ انسان تم ناپاک ہو تمھارا صرف باہر ہی نہیں روح بھی آلودہ ہے لیکن وہ ساکن رہا جیسے وہ بوڑھا اس سے نہیں کسی اور سے مخاطب ہو۔

اب تو سچ میں اس بوڑھے کو تاؤ آنے لگا تھا۔ تمھیں سمجھ نہیں آتا یا کسی کے چلانے سے فرق نہیں پڑتا نکل جاؤ یہاں سے۔

''نہیں، میں نہیں جانا چاہتا یہاں سے۔'' وہ اپنے ضمیر کی پرزور مزاحمت کو رد نہ کرسکا۔

''کیا مطلب ہے تمھاری اس بات کا۔''

مخاطب نے کچھ حیرانی اور کچھ ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''ابھی تم نے کہا تھا نا کہ میں ناپاک ہوں غلیظ ہوں تو کیا مجھے پاک نہیں کیا جاسکتا میں نجس ہوں تو نجاست کو زائل نہیں کیا جاسکتا۔''

''ضرور یہ بھی تمھاری کوئی نئی چال ہوسکتی ہے۔'' اب بوڑھا سنبھل چکا تھا۔ ''لیکن ہم ظاہر کے مکلف ہیں باطن کا حال اللہ کے سپرد۔''

کرشن کیا تم ان آسائشات کو ترک کردو گے جو تمھاری 5 سال کی محنت کا ثمرہ ہے۔ یہ اس کے نفس کی آواز تھی۔ وہ ایک قدم آگے بڑھا۔ اچانک رام چندر چچا کی لاش اس کے سامنے آگئی اس کے آئیڈیل ہیرو جب ان کی لاش اچانک سے گھر لائی گئی تو وہ قیامت کا سماں تھا۔

وہ جنگ کے دوران مسلم فوج کے ہاتھوں مارے گئے تھے اور یہی وجہ بنی تھی کرشن کے اس فیلڈ میں آنے کی اور مسلمانوں سے دشمنی کی۔

نہیں کرشن آگے بڑھو آگے منزل ہے۔ ضمیر نے اسے حوصلہ دیا۔

اب نفس نے آخری حربے کے طور پر اس کی ماں کی آخری نصیحت یاد دلوانی چاہی۔

''اپنے دھرم اور اپنے دیش کی عزت خاک میں ملانے سے مرجانا بہتر ہے۔''

مگر پھر بھی وہ ایک قدم آگے بڑھا۔ نفس کی دلیلیں کھوکھلی تھیں۔ آج اس کی نیکی برائی پر غالب آگئی تھی۔ آج نہیں تو پھر کبھی نہیں اس نے عزم کیا۔

لوٹنے والے بزدل ہوتے ہیں یہ اس کی زندگی کا رول تھا۔

اسی وقت وہ بزرگ سفید کرتا شلوار لے آئے۔

''اندر چلو میں اس مسجد کا خادم ہوں تم پہلے غسل کرو پھر یہ کپڑے پہنو میں تمھاری ملاقات مولانا عطاء اللہ سے کرواتا ہوں۔'' اب پہلے کی نسبت اس کی آواز کافی نرم تھی۔

''لوطلحہ کیا آپ یہ خواب بیس سال کی عمر سے دیکھتے آئے ہیں۔'' مولانا صاحب نے اس کی پوری بات سننے کے بعد کچھ توقف کرتے ہوئے کہا۔

اسے اسلام کی روشنی میں آئے آج تیسرا روز تھا۔ جی میں آج سے پانچ سال پہلے یہی درسگاہ یہی جماعت دیکھتا آیا ہوں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ آپ کو میں نے جب بھی دیکھا اسی حلیے میں دیکھا اسی مسند پر بیٹھے ہوئے۔ نومسلم طلحہ نے سر جھکائے جواب دیا۔ مسجد عائشہ کی اس متوسطی درسگاہ میں اب تک خوشیوں کا سماں تھا۔

اپنے اس بھائی کے لیے جس نے دین اسلام کی خاطر سب کچھ چھوڑ دیا تھا ہر آنکھ اشکبار تھی۔

کون ہے وہ جو تمھیں خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں راہ بتلاتا ہے اور کون ہے وہ جو خوشخبری لانے والی ہوائیں اپنی رحمت سے بھیجتا ہے۔

اب کوئی اور بھی اللہ کے ساتھ حاکم ہے وہ ان معبودانِ باطلہ سے (پاک ہے) بلند ہے جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو۔

بیسویں پارے کی آیات کی تفسیر پڑھتے ہوئے جب وہ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ...الخ پر پہنچا تو بے اختیار وہ سجدے میں گر گیا۔

یہ سجدہ شکر تھا اپنے رب کی بارگاہ میں جس کے احسانات بہت وسیع تھے بہت زیادہ۔

اب اس کو کوئی خواب پریشان نہیں کرتا تھا۔

تاریکیوں سے روشنیوں کی طرف آنے اور رہنمائی کرنے والے کو وہ جان چکا تھا پھر چاہے وہ دنیاوی تاریکیاں ہوں یا اخروی وہ ان پریشان کن سوالات کو حل کرچکا تھا۔ اب نمکین پانی اس کے چہرے کے ساتھ ساتھ اس کے ہاتھوں کو بھی بھگو رہا تھا۔

لیکن اب وہ پرسکون تھا۔

☆☆☆

محمد حذیفہ اکرام۔ راولپنڈی

تھوڑی سی کمی

اس کی حالت بہت عجیب تھی۔ رہ رہ کر اسے اپنا گھر یاد آ رہا تھا۔ دیارِ غیر میں بغیر کسی دوست، بغیر کسی جاننے والے کے وہ محض اکیلا ہی تھا۔ سب سے الگ تھلگ، یونہی اُداس بیٹھا ہوا، آنکھوں سے آنسو چھلکنے کو بے تاب، اردگرد سے بے پروا، وہ اپنی یادوں میں مگن تھا۔

یہ ہمارا مدرسے میں چھٹا دن تھا۔ ہم تمام طلبہ ہی اپنے پیاروں سے دور محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اس کے علم کو حاصل کرنے آئے تھے۔ پہلے دو دنوں کی اداسی کے بعد ہمارا دل لگنے لگا تھا۔ دوست بن گئے تھے، ماحول سے کچھ انس پیدا ہو گیا مگر اس کا کوئی دوست بنا نہ اس نے کسی سے بات کی، بس یونہی اداس سا بیٹھا رہتا، عجیب معاملہ تھا۔

میں اس کی یہ حالت کافی عرصے سے دیکھ کر رہا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ اگر اس کی یہی حالت چند دن اور رہی تو یا تو اسے کوئی دماغی مسئلہ ہو جائے گا یا یہ گھر بھاگ جائے گا اور دونوں صورتوں میں وہ نعمتِ کبریٰ سے محروم ہو جائے گا۔ سو ایک دن جب وہ اسی طرح اداس بیٹھا خلاؤں میں گھور رہا تھا، میں نے ارادہ کر لیا کہ آج میں اس سے اس کی اداسی کی وجہ جان کر رہوں گا۔ یہ سوچ کر میں نے اس کی جانب قدم بڑھا دیے۔

قریب پہنچ کر میں نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور کہا: ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ!“

وہ یوں چونکا جیسے اس کو یقین نہ آیا ہو کہ یہ سلام اسی کو کیا گیا ہے، چند لمحے گزر گئے تو میں دوبارہ بولا: ”السلام علیکم بھائی!“

”وع......وعلیکم السلام!“

وہ جلدی سے بولا اور میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

میں مسکرایا اور بات شروع کی: ”کیا حال ہے بھائی! اداس اداس سے دِکھ رہے ہو۔“

”اداس......نن نہیں تو......میں تو بس یونہی......“ اس سے جملہ نہ بن پڑا۔

”آپ کو گھر کی یاد آ رہی ہے ناں؟“ میں نے پوچھا۔

”جی!“ وہ متحیر سا ہو گیا۔

”لیکن مجھے نہیں آ رہی، وہ سامنے آپ کے ہم جماعت بیٹھے ہوئے ہیں، انھیں بھی نہیں آ رہی......!“ میں نے کہا۔

”کیا مطلب؟“ اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

”مطلب یہ کہ......“ میں مسکرایا: ”آپ کو پچھلے چھے دنوں سے اس ماحول میں عجیب سا محسوس ہو رہا ہے ناں، اجنبی اجنبی سا؟ گھر اور گھر والے بہت شدت سے یاد آ رہے ہیں...... ہے ناں؟“ میں نے اس سے تائید چاہی۔

”جی!“

”لیکن ہم سب اب ایسی وحشت اور اداسی نہیں محسوس کر رہے، پتا ہے کیوں؟“ میں نے پوچھا۔

”کیوں؟“ اس کی آنکھوں میں کچھ دلچسپی پیدا ہوئی۔

”اِس لیے کہ ہم سب مصروف ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ باتوں میں، ایک دوسرے کے احوال جاننے میں، مدرسے کے بارے میں معلومات جمع کرنے میں اور آپ......آپ کسی کے ساتھ بات ہی نہیں کرتے، سلام تک نہیں کیا سب کو سوائے چند کے۔“ میں رک گیا۔

”وہ......دراصل......“ وہ ہچکچایا۔

”دیکھو جو کہنا چاہتے ہو کہو...... میں آپ کا دوست ہوں۔“

میں نے نرمی سے اس کا شانہ دبایا۔

”میں جب بھی کسی کو سلام کرتا ہوں تو وہ جواب دے کر آگے بڑھ جاتا ہے میں تو چاہتا ہوں کہ کوئی میرا دوست بنے مگر......“

وہ بات کرتے کرتے رک گیا: ”مگر کوئی میرا دوست بنتا ہی نہیں، اگرچہ میں کسی بات کی ابتدا کروں مگر سب بات کا جواب دے کر آگے بڑھ جاتے ہیں، شاید......شاید اس لیے بھی میرا کوئی دوست نہیں بنتا کہ میں بہت کم گو ہوں۔“

”نہیں دوست! یہ وجہ نہیں ہے۔“

میں نے کہا۔

”تو پھر...... کیا وجہ ہے؟“

”آپ میں صرف ایک چھوٹی سی کمی ہے جس کی وجہ سے کوئی آپ سے بات آگے نہیں بڑھا پا رہا۔“

میں پُرسوچ انداز میں بولا۔

”کمی! مجھ میں کیا کمی ہے؟“

وہ چونک اٹھا۔

”ہاں آپ میں کمی ہے! آپ مسکراتے نہیں ہو یا دوسرے لفظوں میں آپ مسکرانے میں نہایت کنجوسی سے کام لیتے ہو، جب آپ کسی کو سلام کرتے ہو تو آپ کے ہونٹ پھیلنے کی بجائے سکڑے ہوئے ہوتے ہیں، اب اتنی سنجیدہ و رعب دار شخصیت سے کوئی خاک بات آگے بڑھانے کی جرأت کر سکتا ہے۔“

”ہمم!“ وہ سوچ میں پڑ گیا۔

”اگر آپ دوست بنانا چاہتے ہیں تو صرف ایک کام کریں کہ سب سے مسکرا کر ملیں بس! حدیث شریف میں بھی اسی طرح ملنے کا کہا گیا ہے۔ مسکرا کے ملنا صدقہ ہے، بس پھر آپ دیکھنا آپ کا حلقہ احباب کس طرح بڑھتا ہے، آپ کی اداسی کس طرح پَر لگا کر اُڑتی ہے، بس آزمائش شرط ہے!“

میری بات اس کے دل پر اثر کر گئی تھی تبھی وہ مسکرا اُٹھا اور نئے عزم کے ساتھ اُٹھ کھڑا ہوا۔

دو دن بعد جب میری اس پر نظر پڑی تو وہ اپنے ہم جماعت لڑکوں کے ساتھ کھڑا خوش گپیوں میں مصروف تھا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

اس کو مسکراتا دیکھ کر میں بھی مسکرا دیا۔

☆☆☆

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

☆مدیر چچا! میرا نام عائشہ ہے۔ میں پانچویں کلاس میں ہوں اور بچوں کا اسلام بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ شمارہ ۱۱۴۰ میں ’بہترین ہدیہ‘ بہت پسند آئی۔ اب میں بھی مروہ اور زینب کی طرح زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھوں گی۔ ’کھانے کے آداب‘ پڑھ کر اس پر عمل کرنے کا ارادہ کیا۔ بڑوں سے سیکھتے ہیں اور مسکراہٹ کے پھول بہت پسند آئے۔ (عائشہ فاطمہ۔بخشن خان، چشتیاں)

☆شمارہ ۱۱۳۸ میں ’مسکراہٹ کے پھول‘ اقرا فرید کے مجھے بہت ہی اچھے لگے۔ ’جواہرات سے قیمتی‘ مجھے پسند آیا۔ امید ہے کہ یہ خط ضرور بالضرور شائع کریں گے۔

(عبدالحی بن محمد عبداللہ۔خان پور، بگا شیر)

ج: ہم امیدوں پر پانی نہیں پھیرتے!

☆ہم دامے، درمے، سخنے ’روزنامہ اسلام‘ کی انتظامیہ کے ساتھ کھڑے ہیں۔ تاکہ یہ چراغ ’خواتین کا اسلام‘ اور ’بچوں کا اسلام‘ تاقیامت چلتے رہے اور روشنی بکھرتے رہیں۔ ہمارا تعاون حسبِ سابق آپ کے ساتھ رہے گا۔ (محمد اظہر اقبال۔لاہور)

ج: اور ہمارا شکریہ آپ کے ساتھ!

☆مدیر چچا! لمبی غیر حاضری کے بعد آمنے سامنے ہیں۔ خیر رسالے ہم نے سارے پڑھے اور ایک ایک چیز پڑھی۔ شمارہ ۱۱۳۹ ’قرآن وحدیث‘ سے شروع کیا اور پھر آپ کی ’اوٹ پٹانگ خیالات‘ والی دستک پڑھی بہت پسند آئی اور دل کے کانوں سے سن کر دل سے آپ کو خیر مبارک کیا آپ نے بھی سن لیا ناں دل کے کانوں سے۔ پھر برسوں کی غلط فہمیاں دور کیں۔ آج کل سعد حیدر چھائے ہوئے ہیں۔ ’ترازو‘ میں نمود ونمائش سے بچنے کی ترغیب دی گئی۔ ’ہمت کا پہاڑ‘ کا بہت انتظار رہتا ہے۔ ’میر حجاز‘ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح، مزہ آگیا پڑھ کر، گویا ہم بھی ان کے نکاح میں شریک تھے۔ بدن کا چڑیا گھر اور درخت کے نیچے سونا پڑھ کر حیران ہوئے۔ اب ان شاء اللہ ہم غیر حاضر نہیں ہوں گے۔ شمارہ ۱۱۴۴ میں قرآن وحدیث کے بعد آپ کی دستک سے سو فیصد متفق ہوئے۔ ’یہ ہمارا منو نہیں، جو پنگا کرو گے تو‘ ہنسا گئی۔ نظمیں جامن، پاکستان کا پرچم بہت اچھی لگیں۔ ’میر حجاز‘ اور ’ہمت کا پہاڑ‘ کے تو کیا ہی کہنے۔ مسکراہٹ کے پھول بھی پسند آئے۔ ’اچھی خبر‘ پڑھ کر دل خوش ہوگیا۔ بے صبری قوم میں نظم وضبط کی بابت لکھا گیا۔ ’مومن کی اذان‘ سعد حیدر کی تمام تحاریر میں سب سے عمدہ یہ تحریر رہی۔ رسالے کی جان اور جذبہ ایمانی کو ابھارتی تحریر تھی۔ اللہ کرے زورِ قلم اور بھی زیادہ۔ اللہ تعالیٰ فلسطینیوں کی غیبی مدد فرمائے۔ (یسریٰ زبیر۔بخشن خان، چشتیاں)

☆مدیر چاچو! میں آپ کی نئی قاریہ ہوں۔ وہ بھی اس لیے کیونکہ جیسے آپ قارئین کو ہر اتوار ’بچوں کا اسلام‘ بھیجتے ہیں ویسے ہمارے گھر نہیں بھیجتے۔ ہم ’بچوں کا اسلام‘ مستقل لگوانے کا طریقہ کار جاننا چاہتے ہیں۔ مدیر چاچو! ہمیں آمنے سامنے بہت پسند ہے۔ آپ اس کو کبھی نہ چھوڑا کریں۔ ’پہلی ملاقات‘ بہت اچھی تھی۔ بلکہ مجھے تو سارا کچھ پسند ہے۔ اللہ آپ کو اپنی حفظ وامان میں رکھے۔

(مریم صدیقہ۔ڈیرہ غازی خان)

ج: شعبہ سرکولیشن سے اس نمبر پر رابطہ کیجیے۔ 03213557807

☆قریباً ۸،۹ سال سے ہمارا شمار اس رسالے کے قارئین میں ہوتا ہے۔ مگر خط لکھنے کا اتفاق پہلی دفعہ ہی ہورہا ہے۔ شمارہ ۱۱۴۳ کی کہانی ’گھی کے پراٹھے‘ پڑھ کر بہت اچھا لگا ہم نے فوراً خود کو سنبھالا اور شمارے کو الٹ کر دیکھا تو ’مسکراہٹ کے پھول‘ دیکھ کر ہمارے چہرے پر بھی مسکراہٹ بھرپور انداز میں چمکنے لگے اور بقیہ شمارہ بھی زبردست تھا۔ شمارہ ۱۱۴۴ کو کھول کر دیکھا تو ’جو پنگا کرو گے تو......‘ کو اپنے مطالعے کا بے حد منتظر پایا اسے پڑھ کر یوں محسوس ہوا کہ دل بھی قہقہہ لگانے میں مصروف ہے۔ ’بچے ہمارے عہد کے‘ تو کیا کہنے۔ ’مومن کی اذان‘ تو سب کی ملکہ لگ رہی تھی۔ اسے پڑھ کر ابوعبیدہ اسماعیل ہنیہ کی شہادت ذہن میں گھوم گئی۔ (ام عمارہ بنت عثمان۔میترانوالی)

☆پچھلے کچھ رسائل اگرچہ بروقت ملے مگر پڑھ نہ سکا۔ سوائے دو ایک تحریروں کے۔ اگست کے شمارے موقع کی مناسبت سے نہایت خوب صورتی سے ڈیزائن کیے گئے۔ اللہ رب العزت ظاہر و باطن کو مزید خوب صورت کردے۔ مختلف تحریروں کے خاکے ذہن میں موجود ہوتے ہیں۔ مگر آغاز کرتے ہوئے کوئی سرا ہاتھ نہیں آتا۔ منتشر خیالات کو مجتمع کرنا یا کسی ایک پر توجہ مرتکز کرنا بڑا مشکل محسوس ہوتا ہے۔ اس مسئلے کا حل کیا ہے تاکہ تحریری سفر آگے بڑھے۔

(ابوبکر عباسی۔نیومری، راولپنڈی)

ج: توجہ مرتکز کرنے کے لیے مختلف ذہنی مشقیں کرائی جاتی ہیں۔ خشوع وخضوع سے پڑھی گئی نماز بھی فوکس کو بہتر بناتی ہے۔

خصوصی خط

ایک تحریر ’جھلمل‘ میں کیا چھپی، ہم اپنی اوقات ہی بھول بیٹھے اور بجائے خطوط کے تحریریں لکھ کر جھلمل کو ارسال کرنے لگے۔ کئی تحریریں ارسال کیں مگر سوائے ایک تحریر کے کچھ شائع نہ ہوا اور یوں ہمیں اپنی اوقات میں واپس آنا پڑا۔ سو اپنی اوقات (حد) میں واپس آنے کے بعد ہمارا پہلا خط پیش خدمت ہے۔ جس طرح القرآن الحدیث بچوں کا اسلام کے مستقل سلسلے ہیں اسی طرح الدعاء والسنۃ کو بھی مستقل سلسلوں میں شامل ہونا چاہیے۔ ہماری تو یہ دعا ہے کہ اسکولوں اور مدارس کے نصاب میں مسنون دعائیں اور سنتیں اس ترتیب پر شامل کرلی جائیں کہ ہر بچے کو یہ دعائیں اور سنتیں نہ صرف زبانی یاد ہوجائیں بلکہ وہ ان پر عمل پیرا بھی ہوجائیں۔ مسنون دعاؤں اور سنتوں کو جتنی اہمیت حاصل ہے انھیں اتنی اہمیت دی ہی نہیں جاتی۔ اب تو مائیں بھی بچوں کو دعاؤں اور سنتوں کی بجائے ٹوئنکل ٹوئنکل سکھاتی ہیں۔ اس دور کا المیہ ہے کہ الفاظ کے چرچے ہیں، الفاظ سیکھے اور سکھائے جارہے ہیں۔ ان الفاظ کو ادا کس لب ولہجے میں کرنا ہے، سکھانے والے ہی نہیں سیکھے ہوئے تو وہ سیکھنے والوں کو کیا سکھائیں گے! ’میر حجاز‘ کی تلخیص اچھی کاوش ہے مگر جناب اختر حسین عزمی نے ’میر حجاز‘ کے نام سے بڑوں کے لیے سیرت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لکھی تو اس تلخیص کا نام بجائے میر حجاز کے کوئی اور رکھنا چاہیے تھا۔ بچوں کا اسلام میں کبھی کبھی کچھ پرانے لکھاری بہت یاد آتے ہیں۔ حافظ عبدالرزاق تو ماشاء اللہ باقاعدگی سے لکھ رہے ہیں لیکن ان دنوں ان کا انداز تحریر پہلے کی بنسبت کچھ مشکل ہوگیا ہے۔

عبدالصمد زاہد۔ملتان

ج: جی عبدالصمد بھائی! کبھی کبھی کچھ پرانے نام ہمیں بھی یاد آتے ہیں مگر زندگی کا یہی دستور ہے کہ وقت کی انگلی تھامے بچے بڑے ہوتے جاتے ہیں اور جوان بوڑھے۔ پرانے نئے آنے والوں کے لیے جگہ چھوڑتے جاتے ہیں۔ خیر پرانے قلم کار بھی اپنی مصروف گھریلو و پیشہ ورانہ زندگی سے وقت نکال کر کسی خاص نمبر میں تشریف لے ہی آتے ہیں۔ آپ بس اگلے خاص نمبر کے لیے دعا کیجیے۔

آسٹریلیا

اسامہ احمد

آسٹریلیا دنیا کا واحد ملک ہے جو پورے براعظم پر پھیلا ہوا ہے۔ آسٹریلیا رقبے کے لحاظ سے دنیا کا چھٹا بڑا ملک ہے۔ اس کے چھے صوبے ہیں۔ یہاں کے لوگ زیادہ تر عیسائی مذہب کے ماننے والے ہیں۔ سرکاری زبان انگریزی ہے۔

آسٹریلیا میں بہت کم پہاڑی سلسلے ہیں۔ ملک کا زیادہ تر حصہ صحراؤں اور ریگستانوں پر مشتمل ہے۔ یہاں کی سب سے اونچی چوٹی کا نام ماؤنٹ کوشی ہے۔ جو سطح سمندر سے دو ہزار دو سو تیس میٹر بلند ہے۔

آسٹریلیا جتنا بڑا ملک ہے، اتنی ہی اس کی آب و ہوا بھی مختلف علاقوں میں مختلف ہے۔ جنوب مشرقی علاقے اور تسمانیہ میں موسم سرد رہتا ہے۔ آسٹریلیا کا یہ واحد علاقہ ہے جہاں سردیوں میں برف پڑتی ہے۔ باقی ملک موسم گرما سے معتدل رہتا ہے۔

یہاں کے دریاؤں میں دریائے 'مرے' مشہور ہے جو ملک کے زیادہ تر حصے میں آب پاشی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ آسٹریلیا کے شمال اور مشرق میں جنگلات پائے جاتے ہیں۔ آسٹریلیا کے جنگلی جانوروں میں کینگرو بہت مشہور ہے۔ جو پچھلی ٹانگوں پر اچھل اچھل کر اور اپنے بچے کو پیٹ کے ساتھ لگائے ایک قدرتی تھیلے میں لے کر چلتا ہے۔

آسٹریلیا نے بھی صنعتی اور زرعی میدان میں کافی ترقی کی ہے۔ اہم زرعی پیداوار میں گنا اور گندم شامل ہیں۔ اس کے علاوہ بھیڑیں اور مویشی پالنا اہم پیشہ ہے۔ آسٹریلیا دنیا کا اہم اون پیدا کرنے والا ملک ہے۔ آسٹریلیا گوشت پیدا کرنے والے ملک کے طور پر بھی مشہور ہے۔ یہاں کی گائے ''ہرفرڈ'' گائے زیادہ دودھ دینے کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔

آسٹریلیا میں لوہے کے ذخائر بھی موجود ہیں۔ کوئلہ، پیٹرولیم اور قدرتی گیس بھی کافی مقدار میں پائی جاتی ہے۔ اس کی وجہ سے بہت سے کارخانے لگائے گئے ہیں۔ جن میں لوہے کی صنعت، موٹر کاریں بنانے کے کارخانے، تیل صاف کرنے کے کارخانے، کپڑا بنانے کے کارخانے، بجلی کے سامان اور زرعی مشینری کے کارخانے قابل ذکر ہیں۔ کشتی رانی یہاں کے لوگوں کا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ اس کے علاوہ کرکٹ، ٹینس، ہاکی اور مختلف کھیل بھی کھیلے جاتے ہیں۔

آسٹریلیا کے مشہور شہروں میں سڈنی، میلبورن، پرتھ اور کینبرا قابل ذکر ہیں۔ کینبرا ملک کا صدر مقام ہے۔

☆......☆